جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

اگست ۱۹۹۹ء

اقوالِ زرّیں

(۱) خُدا کی محبّت اور انسان دوستی میں ذریعہ نجات ہے۔
(۲) صبر کرنے والے کے غصّے سے ڈرا کرو۔
(۳) علم ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی رحمت برستی ہے۔
(۴) خُدا شکستہ دلوں میں پایا جاتا ہے۔
(۵) بُوڑھے کی رائے جوان کی قوّت سے بہتر ہے۔
(۶) تلوار کا لگایا ہُوا زخم ٹھیک ہوجاتا ہے، مگر زبان کا لگایا ہُوا زخم نہیں ہوتا۔
(۷) جو دوسروں کے غم سے بے خبر رہے وہ آدمی نہیں ہوسکتا۔
(۸) توبہ کے درخت کو شرمندگی کا پانی دینا چاہیے۔
(۹) شکستہ قبروں پر غور کرو کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہوگئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۷ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ _ اگست ۱۹۹۹ء شمارہ : ۱۱

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیّہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ــــــ سالانہ ۱۲۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی 〃 ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ــــــ 〃 ۹ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ــــــ 〃 ۱۶ ڈالر

برطانیہ ــــــ 〃 ۲۰ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۳۷۳-۷۷۲۹۶۹۱

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

◯

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۷
رشوت کی گرم بازاری	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب	۱۳
اے رونقِ بزمِ چشتیائی	حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب	۱۶
مکتوب مدنیؒ	حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ	۱۷
علم و عقل	حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ	۲۴
حضرت منشی رحمت علیؒ	حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب	۳۴
کیا یہی تہذیب ہے؟	خواجہ فیض لدھیانوی	۳۹
کھانے کے احکام و مسائل	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۴۱
حاصل مطالعہ	مولانا نعیم الدین صاحب	۴۶
تقریظ و تنقید		۵۹
اخبار الجامعہ		۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وھو الذی انزل من السمآء مآء فاخرجنا بہ نبات کل شئ فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا ومن النخل من طلعھا قنوان دانیۃ وجنٰت من اعناب والزیتون والرمان مشتبھا وّغیر متشابہ انظروا الیٰ ثمرہ اذا اثمر وینعہ ان فی ذلکم لاٰیٰت لقوم یؤمنون۔

ترجمہ: اور اسی نے اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہُوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گُچھے جُھکے ہُوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جُدا جُدا بھی دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اُس کے پکنے کو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔ (پ۷ رکوع ۱۸)

گزشتہ چند برسوں سے ملک میں بلکہ دُنیا بھر میں بارشوں کی قلت کے سبب آبی ذخائر میں

تشویشناک حد تک کمی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اسی طرح قدرتی آبی چشموں میں پانی دن بدن کم ہوتا چلا جا رہا ہے بلکہ بعض علاقوں کے چشمے تو بہت عرصہ سے خشک ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے دریاؤں میں پانی کی قلّت ہو گئی ہے۔ پانی نہ ہونے کے سبب بعض سرسبز پہاڑی علاقے اپنی شادابی کھو بیٹھے ہیں اور پہاڑ کے پہاڑ خشک اور بے رونق ہو چکے ہیں زراعت پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے۔ حکمرانوں کی نگاہیں نہروں اور ٹیوب ویلوں تک محدود ہیں اُن کا خیال ہے کہ ٹیوب ویل چل رہا ہے اور پانی نکل رہا ہے تو فکر کس بات کی، حالانکہ ان تمام چیزوں کا انحصار آسمان سے اُترنے والے پانی پر ہے جو صرف اور صرف اللہ کے حکم سے اُترتا ہے اگر بارش نہ ہو تو پانی زمین کے نیچے اتنی گہرائی میں چلا جائے گا کہ ٹیوب ویل سے اس کا نکالنا ممکن نہ رہے گا۔ ڈیموں میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے بجلی کی پیداوار نہ ہو سکے گی تو ٹیوب ویل ہی نہ چل سکیں گے، غرض بارش نہ ہونا ایسا بحران پیدا کر دے گا جس کا تصوّر بھی تکلیف دہ ہے، مگر ان تمام بحرانوں سے بے نیاز ہمارے حکمران اور رعیت دن رات اللہ کی نافرمانی میں مصروف ہیں ان کو اس مصیبت کے اسباب اور اس سے نجات کے طریقوں پر سوچنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ پانی کی اس حد تک قلت اللہ کی ناراضگی کی علامت اور اسکے قہر کا پیش خیمہ ہے۔ اس سے بچاؤ کی صُورت صرف اور صرف گناہوں سے رُکنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> "بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو کیا تم اس کو کرتے ہو کاشت یا ہم ہیں کاشت کرنے والے اگر ہم چاہیں تو کر ڈالیں اس (کھیتی) کو روندا ہُوا گھاس۔ پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے (کہ) ہم تو قرض دار رہ گئے بلکہ ہم تو بے نصیب ہو گئے۔ بھلا دیکھو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اُتارا اُس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے اگر ہم چاہیں تو کر دیں اُس کو کھارا پھر کیوں نہیں احسان مانتے۔ (سورۃ واقعہ پارہ ۲۷)

سورۃ ملک میں ارشاد فرمایا:

> آپ کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو اگر ہو جائے صُبح کو تمہارا پانی خشک پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس شفاف پانی (نتھرا ہُوا) اللہ کی پناہ فرموده

نشانیوں اور تنبیہات سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ پانی کی نعمت کا حصول محض مادی وسائل سے ہرگز ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان سے اُترتا ہے پھر اسی کے حکم سے زرخیزی اور شادابی کا سبب بنتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور اُتارا آسمان سے ہم نے برکت والا پانی پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور (اُگائیں) کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ پر تہ بندوں کے لیے بطور روزی کے، اور زندہ کیا ہم نے اس (پانی) سے ایک مردہ دیس کو یونہی ہوگا (قیامت کے دن مُردوں کا) نکل کھڑے ہونا۔" (سورۃ ق پارہ ۲۶)

اللہ تعالیٰ بار بار اپنے انعامات کا تذکرہ فرماکر اپنی عبادت و طاعت کی طرف بلا رہے ہیں، مگر دوسری طرف پوری قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگی ہوئی ہے۔ حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری صحیح وقت پر بارشوں کی دُعا، بے وقت کی بارشوں سے پناہ صلوٰۃ استسقاء یا اس کی اپیل کرنا تو دُور کی بات ہے کرکٹ جیسے بے ہودہ کھیل سے ہی اُنہیں فرصت نہیں ہے جبکہ ماہرین بار بار خبردار کر رہے ہیں کہ ملک بھر میں پانی کی شدید قلت ہونے والی ہے اور اگلے پانچ سے دس سالوں میں صوبوں کے درمیان پانی پر جھگڑے شروع ہوجائیں گے بالخصوص پنجاب اور سندھ کے درمیان ان جھگڑوں کی نوعیت بہت شدید ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہوئے دیکھا آپ فرما رہے تھے۔

اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا مریئا مریعا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اٰجل قال فاطبقت علیھم السماء (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۳۲ ج ۱)

اے اللہ برسا ہم پر ایسا بادل جو سیرابی کر دے اچھے انجام والا، زرخیزی والا نفع پہنچانے والا بے ضرر، جو وقت پر برسنے والا ہو بے وقت نہ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اُسی وقت آسمان پر بادل چھا گئے۔

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ

تمہارے رَبّ عزّوجل فرماتے ہیں اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات کے وقت اُن پہ بارش برساؤں اور دن میں سُورج نکال دوں (تاکہ معاش میں پریشانی نہ ہو) اور ان کو کڑک بھی نہ سُناؤں (تاکہ رات پُرسکون گزرے)

(مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۵۵ ج ۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ٹھیک کرلیں تو ہمارے تمام معاملات اللہ کی رحمت اور غیبی نصرت سے خود بخود دُرست ہوتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

بشارتیں، غزوۂ احد، اور صحابہؓ کی جانثاریاں

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین: مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

کیسٹ نمبر ۲۵ سائیڈ اے ۸۳ - ۱۰ - ۱

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّدؐ وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد!

وَعَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ رَأَیْتُ یَدَ طَلْحَۃَ شَلَّاءَ وَقٰی بِھَا النَّبِیَّ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ[1]

اور حضرت قیس بن ابی حازم (تابعی) کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ دیکھا جو (سالہا سال بعد بھی) بالکل بیکار اور شل تھا انھوں نے اس ہاتھ سے غزوۂ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو (کفّار کے حملوں سے) بچایا تھا۔

سابقہ درس سے ربط حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ذکر تھا کہ وہ اُمت کے اُن حضرات میں داخل ہیں کہ جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنّت کی ضمانت دی ہے، بشارت نہیں بلکہ ضمانت' ایسے پوری اُمّت میں صرف دس حضرات ہیں، چاروں خلیفہ اور حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابو عُبیدہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد اور سعید رضی اللہ عنہم سعد یہ سعد بن ابی وقاص ہیں جنھوں نے عراق اور ایران فتح کیا اور سعید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہ بہنوئی ہیں جن کے یہاں حضرت عمر نے اسلام قبول کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مَیں نے بتلایا تھا کہ اسلام میں جو دوسری باقاعدہ لڑائی ہوئی ہے اُحد کے موقع پہ اس میں

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۵

مُشرکینِ مکّہ نے اپنی بدر کی شکست کا انتقام لیا، اس میں بہت حضرات نے بہت بہادری دکھائی۔

اُحد میں حضرت حمزہؓ کی بہادری

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو کفّار کے جو ستر آدمی مارے گئے تھے اُن میں سے فقط حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بتیس ۳۲ آدمی مارے تھے پھر اُنھیں شہید کر دیا دھوکے سے وحشی نے، تیر کی طرح کا ایک چھوٹا سا نیزہ نکلا تھا تیر کی طرح کا جسے مارا جاسکتا تھا ہاتھ سے اس کو حربہ کہتے ہیں اُس سے اس نے وار کیا چھپا ہُوا بیٹھا تھا اور صحیح نشانے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

اُحد میں حضرت طلحہؓ کا کارنامہ

دوسرا کارنامہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کئی چوٹیں آئیں ایک زخم تو آیا تھا خود کی وجہ سے جس سے خُون نکلتا رہا دیر تک، اور دوسری ضرب آئی تھی دندان مُبارک پر جس سے دندان مُبارک کے بیچ میں سے جھری پڑ گئی۔ دانت ٹوٹا کوئی نہیں تھا۔ نشان پڑ گیا تھا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُوپر پہاڑی پر محفوظ جگہ لے گئے۔ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اِن حضرات نے علاج کیا، لیکن راستے میں یہ ہُوا کہ تیر آتے رہے اور حضرت طلحہؓ کے پاس ڈھال نہیں تھی تو ہر دفعہ وہ اپنا ہاتھ آگے کرتے رہے ایک دفعہ اگر چوٹ لگ جائے تو دوبارہ پھر اُسی طرح آدمی ہاتھ آگے کر دے یہ بے حد مشکل کام ہے اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن کے دستِ مُبارک کی کھال اُڑ گئی جو دوبارہ زندگی بھر نہیں آئی۔

حضرت طلحہؓ کی شہادت کا واقعہ

اگلی بات یہ ہے کہ وفات اُن کی شہادت سے ہُوئی اور واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ مُبارک پر اُنھوں نے بیعت کی، یہ مدینہ منوّرہ میں تھے اُس سال حج کے لیے بھی نہیں گئے حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ مدینہ شریف ہی میں وہ بھی نہیں گئے اس سے قبل حضرت عثمان غنیؓ کی حیات میں باغی اندر آگئے مدینہ میں اور اُنھوں نے سب کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ کا بھی جسے "دَار" کہتے ہیں یَومَ الدَّار بھی کہلاتا ہے۔ بڑا مکان تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سات سو آٹھ سو آدمی تھے بیٹھے اس میں جن سے خطاب کیا تو بڑی جگہ ہوگی اور محاصرہ کرنے والے جو تھے وہ مصر سے آئے ہُوئے باغی تھے، باقی سب

حضرات کو اُنھوں نے ساتھ رکھا تاکہ اِدھر اُدھر نہ ہونے پائیں جانے نہ پائیں ان کا بھی گویا ایک طرح گھیراؤ تھا

حضرت طلحہ رض کا حضرت عثمان رض کی مدد کرنے سے انکار کی وجہ

اُن (حضرت عثمان غنی رض) کی شہادت کے دوران واقعہ شہادت سے پہلے اس گڑ بڑ کے زمانے میں مدد کی ضرورت پڑی تو حضرت طلحہ رض کو پیغام دیا گیا تو اُنھوں نے انکار کر دیا کہ مَیں نہیں مدد کے لیے آؤں گا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بہت ہی سخی تھے سخاوت بہت زیادہ تھی ان کا روپیہ تھا کچھ باقی بیت المال کی طرف وہ روک رکھا تھا کوئی وجہ ایسی ہوگئی ہوگی کہ جس کی وجہ سے رقم رُکی ہُوئی تھی تو وہ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں میں مدد کے لیے نہیں آؤں گا جب تک کہ میری پُوری رقم جو واجب ہے ادا نہ کر دیں

ان کو یہ توقع نہ تھی کہ باغی شہید کر ڈالیں گے

اس کی وجہ کیا تھی اس کی وجہ بظاہر یہ لگتی ہے کہ اصل میں اُن کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لوگ شہید کر دیں گے بس یہ تھا کہ جمع ہوئے ہیں ہڑبونگ ہے یہ ایک، اور مسلّح تھے ٹھیک ہیں یہ بھی نماز کو جاتے تھے تو ہتھیار ساتھ لے جاتے تھے یہ کیفیت تھی لیکن یہ کہ امیر المؤمنین پر حملہ آور ہوں اور اُنھیں شہید کر دیں یہ اُن کا خیال نہیں تھا۔

شہادت کا صدمہ

جب واقعہ شہادت ہوگیا تو پھر اُن کے ذہن پہ اتنا بوجھ ہُوا کہ جو اِن کی برداشت سے باہر تھا۔ یہ چیز پیش آئی کہ جو اِن کے خیال میں بھی نہیں تھی۔

بزدل باغیوں کے خلاف کارروائی سے روک دیا

اور ہے بھی بُزدلی کہ اس طرح سے گھر میں گھس کر مار دیں کہ دروازے انھوں (حضرت عثمان رض) نے کُھلے چھوڑ دیئے ہوں، سب کچھ کیا ہُوا اُنھوں نے پھر اس طرح سے کہ منع کر دیا (اپنے ساتھیوں کو) کہ ہتھیار نہ اُٹھانا حکم دے دیا ہو کہ ہتھیار نہ اُٹھانا اپنے غلاموں سے فرما دیا جو غلام میرا ہتھیار پھینک دے بند کر دے رکھ دے وہ آزاد ہے اور میں تمہارا امیر المؤمنین ہوں، میں حکم دیتا ہوں کہ ہتھیار نہ اُٹھانا سب کچھ وہ فرماتے تھے اور دروازے بھی اُنھوں نے کُھلے چھوڑ دیے تھے اور پھر یہ گھس کے ایک ایسے شخص کو جنکی عُمر مُبارک اسّی سے متجاوز تھی ان پہ ہتھیار اُٹھائیں

یہ بڑی بُزدلی ہے اور اسلام کے خلاف ہے تو یہ اِن کے تصوّر میں بھی نہیں تھا۔

قاتلِ طلحہؓ مروان اور اس کے والد کا تذکرہ

اچھّا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص تھا مروان، مروان کے والد حَکَمْ یہ فتحِ مکّہ ـــ جب ہُوا ہے تو اُس وقت بہت سے لوگ مُسلمان ہو گئے اور یہ اسلام اُن کا دنیاداری تھی ایک طرح سے کہ اُنھوں نے دیکھ لیا کہ اَب ہم مغلوب ہو گئے اور دار الخلافہ جیسی جگہ پر قبضہ ہو گیا تو ہم ہار گئے اِس لیے بہت سے لوگ یونہی مُسلمان ہو گئے۔ سیاسی اور حکومت کے غلبہ کی بنا پر اب ایسے ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو ایسے مُسلمان ہُوئے تھے اُن کو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بڑے طریقہ سے پکّا مُسلمان بنایا، ایک تو آپ کے ساتھ یہی بڑی چیز تھی کہ قریب آئے اور دیکھا آپ کو تو دِلوں میں عظمت بیٹھ گئی لیکن یہ تو وہ لوگ تھے کہ جو خاندان کے تھے اجنبی نہیں تھے۔ جنھیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُنھوں نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بچپن نہیں دیکھا جوانی نہیں دیکھی کوئی حصّہ عمر کا پوشیدہ رہ گیا ہو ایسا نہیں ہُوا۔

ہاں یہ بات ضرور تھی کہ آٹھ سال سے جو مدینہ منوّرہ میں آپ قیام فرما تھے اُس دَور میں نہیں دیکھا تو اُس دَور میں جو جوان ہُوئے بچّے سے اُنھوں نے نہیں دیکھا۔

اسلام پر پختہ کرنے کا حکیمانہ طریقہ

اور اِن کا اسلام کا پُختہ کرنے کا طریقہ آپ نے یہ کیا کہ اِن کو آپ دیتے رہے جو مانگا دے دیا روپیہ پیسہ، اب روپیہ پیسہ ایسی چیز ہوتی ہے کہ اس کی بہت سے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ نہ ضرورت ہو تو بھی عزیز ہوتا ہے اور جو دے سخی آدمی تو اس سے ہر آدمی کچھ نہ کچھ توقعات وابستہ کر لیتا ہے کہ یہ سخی ہے ضرورت کے وقت کام آسکتا ہے تو اُنھوں نے ایسی سخاوت دیکھی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کہ ویسی سخاوت نہ دیکھی تھی نہ سُنی تھی۔ سو سو اُونٹ دے دیے آپ نے اپنے حصّہ سے بھی سو سو اُونٹ دے دیے اور بہت سونا، بہت چاندی، بہت جانور ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آیا اُس نے آکر یہاں کا نہیں ہے کسی اور جگہ کا ہے یہ واقعہ اُس نے آکر عرض کیا کہ مجھے جناب کچھ دیجئے مَیں یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس اتنی بکریاں ہوں کہ وادی بھر جائے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کو بکریاں دے دیں بہت ساری وہ مُسلمان تو تھا نہیں ایک

سائل تھا مانگا تھا اُس نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہُوا ہوگا یا علم ہُوا ہوگا کہ اِس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے گا۔ بہرحال آپ نے عطا فرمائیں وہ گھر آیا گھر آکر کہنے لگا اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُعْطِیْ عَطَاءً مَا یَخَافُ الْفقرَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ آپ کو یہ اندیشہ ہی نہیں ہوتا کہ میرے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ دینے والے کو سب سے بڑی فکر یہ ہوتی ہے کہ ہمارا خزانہ ہی خالی نہ ہوجائے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی بات تھی کہ وہ اتنا دیتے ہیں کہ یہ اندیشہ ہی نہیں ہوتا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا اور پھر وہ مُسلمان ہوگیا اور ارشاد بھی فرمایا کہ اَتَأَلَّفُهُمْ میں انہیں اپنے سے مانوس کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے صحابہ کرام جن کی وجہ سے بظاہر یہ فتح ہُوئی لشکری تھے ان لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ ان لوگوں کو میں زیادہ اِس لیے دے رہا ہوں کہ یہ نئے نئے اسلام میں داخل ہُوئے ہیں ابھی پختگی تو آئی نہیں، پختگی آتی ہے جب کوئی چیز دیکھ لے اُس کی خوبیاں سمجھ میں آجائیں پھر پختہ ہوتا ہے آدمی ابھی اُنھوں نے اسلام کو اندر سے دیکھا ہی نہیں نام ہی سُن رہے ہیں صرف تو جب یہ اسلام سے واقف ہوجائیں گے جب قریب آئیں گے تو پھر اُن کا اسلام پُختہ ہوجائے گا، چنانچہ ان میں جن لوگوں کا ذکر آتا ہے حدیثوں میں اور اُن کے حالات میں یہ آتا ہے کہ اَسْلَمَ وَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ اسلام قبول کیا اور اُس کا اسلام بھی اچھا رہا۔ یعنی یہ ساتھ ساتھ اُس کے نوٹ ہوتا ہے کہ حَسُنَ اِسْلَامُہٗ یہ جملہ اتنا سا بڑھا ہُوا ہوتا ہے، حضرت ابوسفیانؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے اِن کے بارے میں بھی یہی ہے کہ اَسْلَمَ وَحَسُنَ اِسْلَامُہٗ

مروان کے والد کی حرکتیں

اچھا مروان کا یہ تھا کہ اِس کا باپ حَکَمْ وہ مُسلمان ہوئے اُسی دوران لیکن وہ سچے دِل سے نہیں کچھ مذاق بھی کرتے رہتے تھے تھوڑا بہت، تو مروان کا یہ ہُوا کہ اِس کے والد مُسلمان ہُوئے، لیکن وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ تجسس کیا کرتے تھے کہ اَب کیا کر رہے ہیں اَب کیا کر رہے ہیں اور تجسس اِس لیے نہیں کہ میں پیروی کروں بلکہ تجسس ایسے کہ کوئی چیز پکڑوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گزرا تو آپ نے فرمایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ نقل اُتار رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے چلتے ہیں بطور مذاق کے والعیاذ باللہ، آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت ناگوار ہی گزری طبیعت مُبارکہ پر ورنہ بالکل حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِہٖ

قَطُّ اپنی ذات کے لیے تو کبھی بھی آپ نے بدلہ نہیں لیا تھا اور یہ بھی بدلہ نہیں ہے کہ تم یہاں سے وہاں چلے جاؤ تو اُن کو بھیج دیا طائف مروان کو بھی یہ ساتھ لے گئے۔ مروان پیدا ہوچکا تھا۔

مروان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم رہا

آٹھ دس سال کا تھا اِس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی یہ محروم رہا اِس کے باپ بھی پُوری عقیدت سے مُسلمان نہیں ہوئے تھے ورنہ اور آدمی تو اپنے بچّوں کو بھی لا رہے تھے ملا رہے تھے جو لوگ صحیح طرح مُسلمان ہُوئے تھے اور یہ ایک رسمی مُسلمان تھے صرف، اُس وقت تو اُن کو آپ نے جلاوطن کر دیا تھا فرمایا طائف چلے گئے

مروان اور حکم کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رشتہ داری تھی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ان سے رشتہ داری تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سفارش کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مدینہ آپ واپس آگئے تو فرمایا اچھا بُلاؤ، بُلا سکتے ہو بُلانا چاہو تو بُلا لو اجازت ہے یعنی وہ خفگی جو تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کم ہوگئی اور آپ نے فرمایا کہ بُلانا چاہو تو بُلا لو، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دَور گزر گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دَور گزر گیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دَور بھی آدھا گزر گیا تو اس کے بعد حَکَم کی خواہش ہُوئی کہ مَیں مدینے آجاؤں تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بُلا لیا، اَب وہ حَکَم اور مروان اسکا بیٹا دونوں آگئے۔

مروان بہت تیز اور جذباتی انسان تھا

مروان بہت ہشیار تیز آدمی تھا مگر معلوم یہ ہوتا ہے اسکے حالات پڑھکر کہ جذباتی بڑا تھا بس جوش آیا جذبہ آیا جو دماغ میں آیا وہ کر گزرا یہ اِس کی بیماری تھی تیز آدمی تھا۔ ذہین تھا مگر یہ اس میں خرابی تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دَور میں بہت سی خرابیوں کا سبب یہ بھی بنا ہے۔ مروان کو یہ پتا تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے جب ہم نے مدد مانگی تھی تو اس وقت اُنھوں نے یہ کہا تھا کہ نہیں مَیں نہیں مدد کرتا اور اس کی وجہ صرف عارضی خفگی تھی باغیوں کی ہمدردی یا طرفداری نہ تھی لیکن اسکے دماغ میں یہ غلط بات بیٹھ گئی کہ یہ باغیوں کے طرفدار تھے اسلیے وہ اُنکو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے سمجھتا تھا حالانکہ ایسی بات بالکل نہیں تھی جنگِ جمل کے موقع پر اسی مروان بن حکم نے ان کو تیر مارا جس سے وہ زخمی ہوگئے اور اسی زخم سے اُنکی شہادت ہوگئی انکی شہادت کے بعد مروان نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کو خطاب کرتے ہُوئے کہا تمہارے والد کے قاتلوں میں سے ایک سے میں نے بدلہ لے لیا اور یہ بھی کہتا تھا کہ آج کے بعد خُون کا بدلہ طلب نہیں کرونگا وغیرہ وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحابہ کرام کی محبّت اور آخرت میں انکا ساتھ نصیب فرماتے۔ آمین

رشوت کی گرم بازاری

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قرآن مجید میں جگہ جگہ کسب حلال کا حکم دیا ہے اور آپس کے اموال کو غلط طریقہ پر کھانے سے بہت سختی کے ساتھ روکا ہے۔ سورۃ النساء (رکوع ۵) میں ارشاد ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی آپس میں اپنے اموال کو باطل طریقہ پر مت کھاؤ۔

باطل طریقہ پر کھانے کی کئی صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک طریقہ رشوت خوری کا بھی ہے رشوت کا لین دین انسانی معاشرے کے لیے گھن کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مجبور اور بے کس انسان اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے رشوت دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور رشوت لینے والا اسے شیر مادر (ماں کا دودھ) کی طرح ہضم کر جاتا ہے۔ رشوت خور کو غور کرنا چاہیے کہ اگر میں اس بے کس کی جگہ ہوتا اور مجھ سے رشوت طلب کی جاتی تو میرے نفس پر کس قدر شاق گزرتا جو حال میرا ہوتا ہے وہی اس عاجز و بے کس کا حال ہے۔ ضرورت مند کی بے بسی سے فائدہ اُٹھانا شرافت انسانی کے بھی خلاف ہے اور جذبات ایمانی کے بھی منافی ہے۔ سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِنْہُ (خبردار کسی کا مال اس کے نفس کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے) رواہ البیہقی

ایک شخص کسی منصب پر فائز ہے اسے بحیثیت اپنے عہدہ کے عوام و خواص کے کام انجام دینا چاہیے۔ ایک شخص اپنی حاجت لے کر گیا اس کا کام محکمہ کی سپرد کردہ ذمّہ داری کی وجہ سے کرنا تھا، لیکن صاحب منصب نے اس سے قلیل یا کثیر کچھ رقم لے کر اس کا کام کیا اور تنخواہ

اپنے محکمہ سے الگ وصول کرلی یہ رشوت کی ایک صورت ہے اس میں جہاں اپنے ایک بھائی کا مال بیجا طریقہ پر حاصل کیا وہاں محکمہ کی بھی خلاف ورزی کی مال حرام ملا اللہ کے نزدیک سخت گنہ گار ہوا اور بندوں کے نزدیک مطعون ومذموم ہوا جب رشوت کا سلسلہ چلتا ہے تو اپنے محکمہ کی خیانت بھی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ محکمہ کے جن قواعد وضوابط کے مطابق کام کرنا تھا پیسہ لینے کی وجہ سے انکی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کی صلاحیت ایسی نہیں ہے کہ اسے اپنے ماتحت اسٹاف میں جگہ دی جائے مگر رقم کے سامنے نظر نیچی ہو جاتی ہے۔ حریص نفس مال کو دیکھتا ہے اصول کو پس پشت ڈالنے پر امادہ کرتا ہے۔ بالآخر نااہل کو ملازمت دے دی جاتی ہے اور صلاحیت والے محروم ہوجاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے محکمہ کا کام بھی خراب ہوتا ہے اور یہ رشوت خور جس نے نااہل کا تقرر کیا نہ صرف اپنے محکمہ کا بلکہ پورے ملک وملت کا خائن ہوا۔

شریعت اسلامیہ میں رشوت لینا اور دینا بلکہ لینے والے اور دینے والے کا واسطہ بننا سخت ترین جرم ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَعَنَ اللّٰہُ الرَّاشِی وَالمُرتشی والرَّائش یعنی الذی یمشی بینھما (رواہ البیھقی) اللہ کی رحمت سے دور ہے جو رشوت دے اور رشوت لے اور اس پر جو واسطہ بن کر اُن کے درمیان آنا جانا کرے، جو رشوت دیتا ہے وہ بھی اس لیے مجرم ہے کہ رشوت کے ذریعہ وہ ناحق کا حق دار بن جاتا ہے اور اُصول وقواعد کے مطابق جو مال یا کسی طرح کا حق کسی واقعی حقدار کو پہنچتا ہے اس کو محروم کر دینے کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ ظلم کی ایک قسم ہے۔

جس شخص سے رشوت طلب کی جائے وہ رشوت دے کر رشوت لینے والے کا معین بن جاتا ہے اور اپنی غرض کی وجہ سے دب جاتا ہے جب معاشرہ میں اس کا رواج ہوجاتے تو اس کی قومی اور اجتماعی سزا دی جاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَا مِنْ قوم یظھر فیھم الرِّشا الا اخذوا بالرُّعْبِ یعنی جس قوم میں رشوت کا رواج ہو جاتے اس کی گرفت رعب کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ (رواہ احمد)

مطلب یہ ہے کہ رشوت کی وجہ سے فطری اور تکوینی طور پر قلوب میں رعوبیت کی شان پیدا ہوجاتی ہے نہ حق کہہ سکتے ہیں نہ حق کا بول بالا کر سکتے ہیں ان کو دشمنوں کا خوف کھاجاتا

ہے۔ شجاعت و دلیری کے حوصلے بہت ہوجاتے ہیں۔

بہت سے رشوت خور یہ سمجھتے ہیں کہ رشوت دینے والا خوشی سے دیتا ہے ہم ڈنڈا مار کر وصول نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ عطیہ ہُوا رشوت نہ ہوئی ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے اور بہت بڑی خود فریبی ہے جب کسی شخص کو یقین ہو جائے کہ جس شخص سے کام متعلّق ہے کچھ لیے بغیر یہ میرا کام نہ کرے گا یا لیٹ کرے گا زیادہ دن دوڑائے گا تو اس مصیبت سے بچنے کے لیے وہ رشوت دینے کے لیے راضی ہوجائے گا۔ یہ دل کی رضامندی نہیں ہے۔ اور شرعًا اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے، بہت سے لوگ بیوی کا مہر نہیں دیتے اور اس سے معاف کرا لیتے ہیں وہ یہ سمجھ کر کہ ملنا تو ہے ہی نہیں جھوٹے مُنہ سے اُوپر کے دل سے معاف کردیتی ہے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (سو اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی کے ساتھ اپنے مہر میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اُسے مُبارک سمجھتے ہوئے کھا لیں) دیکھو لفظ نفسًا کا اضافہ فرمایا زبان سے معاف کر دینے کا اعتبار نہیں یہی بات آپس کے تعلقات اور ایک دوسرے کا مال کھانے میں ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے لَا یَأْخُذ احدکم عصا اخیه لَاعِبًا جَادًّا فمن اخذ عصا اخیه فلیردها الیه (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی عصا لاٹھی) اس انداز میں نہ لے کہ ظاہر میں مذاق ہے اور حقیقت میں واقعی قبضہ کرنے کی نیت سے ہے جو شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے اس کو واپس کردے۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث میں بھی وہی نصیحت فرمائی ہے کہ کسی کا مال اگرچہ حقیر ہو اس کے نفس کی خوشی کے بغیر نہ لے عصا کو بطور مثال ذکر فرما دیا ہر مال تھوڑا ہو یا زیادہ مالک کی اندرونی نفس کی خوشی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔ والناس عنه غافلون۔

اے رونقِ بزمِ چشتیائی

اے مظہرِ شانِ کبریائی	اے پرتوِ نورِ مصطفائی
اے پیکرِ زہد و پارسائی	اے وارثِ فقرِ مرتضائی
اے خواجۂ خواجگانِ عالم	اے رشکِ اجودھنی و طائی
اے خسروِ زمزمہ طرازے	اے ثانیٔ سعدی و سنائی
اے روشنیٔ چراغِ دہلی	اے رونقِ بزمِ چشتیائی
اے مشربِ تست عشقِ احمد	اے مسلکِ تو خدا نمائی
ہر نقشِ تو آفتاب بادا	تا حشر فشاندہ روشنائی
یکبار کہ باریاب[1] کردی	ہم بارِ دگر کرم نمائی

شاق است چو بر دلِ نفیسم
اے جانِ جہاں! چرا جدائی؟

نفیس الحسینی

۱۳۸۴ھ
۱۹۶۴ء

ا۔ حضرت خواجہ گیسودراز قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔ ایک پہاڑ کی چوٹی پر، ہیں میں بچہ ہوں حضرت کی انگشتِ شہادت تھامے ہوئے چل رہا ہوں۔

مرسلہ: ڈاکٹر محمد امجد

مکتوبِ مدنی رح

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) ایصالِ ثواب[1] کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے، عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور نا جائز باتیں داخل کرلی گئی ہیں جو کہ ایصالِ ثواب کے لیے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں، مثلاً اس کو تبرک سمجھنا اور خود کھانا، بچوں کو کھلانا، احباب میں تقسیم کرنا اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد کرنا کہ یہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے، جس کے نام پر ایصال کیا گیا ہے۔ قرآتِ قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر اُمور مثلاً جگہ کا لیپنا، خوشبو لگانا پڑھنے والے امام یا مؤذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا۔ عوام کے اعتقاد میں یہ اُمور اگر نہ ہوں تو ایصالِ ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاءً وسمعۃً کی جاتی ہیں، یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہی نہیں، علیٰ ہٰذالقیاس بسا اوقات حلال مال ہی نہیں ہوتا۔ بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی، بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نا بالغ ہوں۔ مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنیٰ قسم کا، عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں، حالانکہ اُنکے کھانے میں کسی ثواب کی اُمید

---

[1] ارواحِ بزرگان کو طریقہ ایصال ثواب کیا ہے ؟ کیا کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر بتی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا یہ مسنون طریقہ ہے اور اس کھانے میں سے اور اس شیرینی میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غربا و مساکین کو دینا، کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے ؟ کیا اس طریقے کو مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے ؟

ہی نہیں ہے۔

حضرت قطب عالم مجددِ زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں۔

و آدابیکہ بحضور طعام فاتحہ در بار بجامی آرند پس ایں ہم اتباع خیالات فاسدہ خوداست، چہ فاتحہ بسبب آں طعام بجائے صاحبِ فاتحہ نشدہ، پس چرا آدابیکہ در استحسان آن بہ نسبت فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل باید آورد۔ وملک وے نگر دیدہ چہ اگر ملک اوست، پس چرا فاتحہ کنندگان دخل دراں میکنند بموجب خواہش خود می خورند و می خورانند بلکہ آں را بوارثانِ صاحبِ فاتحہ رسانند نیاز حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا را بسادات دہند و نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ باولاد امجاد ایشاں حوالہ نمایند وعلی ہٰذا القیاس واگر ایں آداب بگمان حلول رُوح صاحب فاتحہ در آں طعام یا لمس وے است آں طعام را یا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ او شد ایں ظنون فاسدہ ایشاں است کہ ہرگز معلوم ایشاں نیست واگر بالفرض والتقدیر چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ در آداب طعام ازاں تجاوز نکردہ پس حاصل از آداب آں طعام نیست

جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانے پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے، یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے، جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کے لیے نہیں ہوتا، پس وہ آداب کیوں بجالاتے جاتے ہیں، جب کہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے اور وہ کھانا اس کی ملکیت نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کی ملکیت ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اسکے اندر دخل کیوں دیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں بلکہ صاحبِ فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں اور حضرت فاطمہؓ کی نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی اولادوں کے حوالے کرتے ہیں۔ اسی پر اور قیاس کرنا چاہیے اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کے سرایت کرنے یا اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا انکا کھایا ہوا اور ان کا جوٹھا ہے تو یہ خیالات باطل اور لغو ہیں، جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں، اگر مان لیا جائے کہ کچھ معلوم ہے پس جو تعریف کہ آداب طعام کے لیے ضروری ہے، وہ کھانا اس کھانے کے آداب کا ماحصل

مگر حصول مشابہت بکفرۂ ہنود کہ احیانا، — اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہندوؤں کے طریقے
حبوب غلات واجناس اطعمہ راپرستش — کی مشابہت ہوتی ہے جو کبھی دانے اور غلے
می کنند الخ (صراطِ مستقیم ص ۵۶ تا ۵۸) — اور کھانیکی چیزوں کو سامنے رکھ کر پرستش کرتے ہیں

چونکہ حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے دادا پیر ہیں، اس لیے اُن کی تحریر پیش کر رہا ہوں۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ (فاتحہ) میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا"

اور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں ؛

"خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں، بلکہ کوئی مصلحت باعث تقئید ہیئتِ کذائیہ ہے، تو کچھ حرج نہیں۔

سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دِل سے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے، مگر موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے' اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے"

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قیود اور تخصیصات لازم نہ تھیں بلکہ کلی تحقق کی شخصیات تھیں' جب تک کسی کو کلام نہ تھا، مگر جبکہ عوام کے اعمال واقوال سے حکماء اُمّت نے اندازہ کر لیا کہ یہ ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظُورات کو مشتمل ہوگئی ہیں، ان کو منع فرمانے لگے۔ کیونکہ تخصیص مطلق اور تقئید ناجائز ہوگئی ہے، جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود فرما رہے ہیں کہ ناجائز ہے، اسی کو صراطِ مستقیم میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ۵۶ کے آخر میں ہے۔

مصرف طعام ہر گرسنہ و محتاج است الے پرہیزگار بہتر از غیر پرہیزگار است پس صحنک و توشہا کہ ساختہ پرداختہ پشیمان است و بتلاحق انکار دیہ حقیقتے نہایت دُور از حق پیدا شدہ و اکابر بزرگانِ حال آنرا در اوقات تربیت وارشاد در ضمن کلیات بیان فرمانید و تخصیص و مجاہرت در عین وقت مقابلہ ایں رسوم غیر مفید انگاشتہ خاموش می شوند از خاموشی آنہا فریب نخوردہ در محو آں سعی باید کرد چہ ایں قیود شدہ شدہ بقبائح انجامید و آں قیود ضرور تر از قیود شرعیہ در اذہان جہلا قرار یافتہ کہ التزام آنرا جزء اسلام و ایمان می پندارند و تارک ساعی را در ہدم اساس آں خارج از ایماں می شمارند چوں التزام رسوم باایں حد رسد بالکل قلب مطلوب و عکس مقصود گردید، واجب الترک می گردد و بنا پر تمیز سنن از فرائض تاکیدیکہ در حدیث می شود یاد کردہ در ایں محل بکار باید برد و رواج نذر و نیاز بایں حد رسید کہ از نذر طعام وغیرہ گزشتہ جانہائے جانوراں کہ نیاز می کنند و در

کھانے کے مستحق ہر بھوکے اور محتاج ہیں، ہاں پرہیزگار آدمی غیر پرہیزگار سے بہتر ہے، پس صحنک اور توشتے جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں، وہ خیالاتِ فاسدہ کی آمیزش سے حق بات سے کوسوں دُور ایک حقیقت پیدا ہو گئی ہے جس کا حال بڑے لوگ تربیت وارشاد کے اوقات میں کلیات کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں، اور تخصیص اور کُھلّم کُھلاّ بیان کرنے کو اس رسوم کے مقابلے کے وقت غیر مفید سمجھ کر خاموش رہ جاتے ہیں، ان کی خاموشی کے فریب میں نہیں آنا چاہیے بلکہ اُسے مٹانے کی ہر ممکن سعی کرنا چاہیے، کیونکہ یہ قیود آہستہ آہستہ بُرائی بن جاتے اور جاہلوں کے نزدیک قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری ہو جاتے ہیں، جس کو بجالانا ایمان و اسلام کا ایک جُزء سمجھتے ہیں اور جو اس کا تدارک کرتا اور مٹاتا ہے، اس کو اسلام کا ڈھا دینے والا اور ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔

جب ان رسومات کا التزام اتنا ضروری ہو گیا تو مقصد کے برعکس ہُوا اور مطلب جاتا رہا، اس لیے اسکا چھوڑ دینا واجب ہو گیا، لہٰذا احادیث میں سُنّتوں کو فرائض سے ممتاز کرنے میں جو تاکید آئی ہے، اس جگہ کام میں لانا چاہیے اور جو نذر و

ذبح آں خوشنودی غیر خدا جل شانہ قصد کردہ مطابق حدیث شریف کہ لعن اللہ ذبح لغیر اللہ ملعون شوند بقول اکثر علماء۔ ایں لعنت بجہت کفر است، پس امرے کہ کفر شد آں را عبادت پنداشتن بکدام مرتبہ زشتی و زبونی خواہد بود

در حقیقت آں است کہ کسانیکہ در نذر و نیاز ارتکاب معاصی و کفر می کنند ایشاں را ایصال ثواب منظور نیست بلکہ شرک می کنند و می دانند کہ ایں کار برائے بزرگاں می کنم، معنی عبادت خدا ہرگز در ذہن شان نمی باشد دلیلش آں کہ ہر کہ در توشہا و نیاز ہائے بزرگاں مبلغاں کثیرہ صرف کردہ باشد اگر از وے پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ خواہد گفت کہ بالجملہ خدا را و آنہا را بعضے در مرتبہ مساوی تقرب و رضا جوئی می نہند بیان حال ہمیں بعض است ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ۔ (بقرہ)

و بعضے ترجیح می دہند و بعضے آں بالا کافی حاجات خود بالاستقلال دانستہ از

نیاز کی رسمیں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ کھانے وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کو نیاز کرتے اور اس کے ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا ارادہ کرتے، مصداق حدیث کہ "لعنت ہے اللہ کی اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے"۔ ملعون ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک لعنت بوجہ کفر کے ہے، پس جو چیز کہ کفر ہو گئی اسکو عبادت سمجھنا کس درجہ برا اور خراب ہوگا۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز میں گناہ و کفر کے مرتکب ہوتے ہیں ان لوگوں کو ثواب پہنچانا منظور نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے واسطے ہم کر رہے ہیں، اللہ کی عبادت کے معنی ہرگز انکے ذہنوں میں نہیں ہوتا ہے، اس پہ دلیل یہ ہے کہ جو شخص توشوں اور بزرگوں کی نیازوں میں بہت سارا پیسہ خرچ کرتا ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ کبھی خدا کے لیے بھی کچھ دیا ہے، کہے گا نہیں اس صورت میں خدا کو اور ان بزرگوں کو قربت اور رضا جوئی میں برابر مرتبہ پر رکھتے ہیں، جن کے مناسب حال یہ آیت ہے اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر محبت اللہ کی۔

التجا و دُعا بجناب حضرت حق جل شانہٗ
بے نیاز می شوند، پس چارۂ کار طالب
حق وصواب متبع مرضیات خُدا و رسُولؐ
دریں جزو زمان آن ست کہ بروح ہر شخصے
کہ ایصالِ ثواب منظور باشد، بلاقید وضع
و جنس طعام و تناولاں آں ہر چیز یکہ انفع
و بہتر در حق فقراء و محتاجین آں وقت
باشد و بصفائی نیت، دن تر بود صرف
نماید و از طرف آں شخص نیت کردہ بعمل
آرد و اگر دُعا ہم کُنند بہتر است و
تمام قیود و رسوم یک قلم دُور کنند
و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات
بالطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست، چہ ایں
معنے بہتر و افضل، غرض آں ست کہ مقید
برسم نباید شد بے تعین تاریخ و روز و جنس
قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر جزیل
بود بعمل آرد ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور
دارد موقوف برالطعام نگذارد، اگر میسّر باشد
بہتر است والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ
و اخلاص بہترین ثوابہا ست در تعین تاریخ
و روز و قسم و وضع طعام ضیق پیش می آید
و اعتنا و اہتمام آں موجب اضاعت اوقات
می گردد و دیگر کارہائے اہم معطل می مانند گاہ

اور بعض لوگ تو ان ہی کو ترجیح دیتے ہیں
اور بعض تو اپنی حاجتوں کا مستقلاً پورا کرنیوالا
سمجھ کر خدا سے دُعا اور التجا کرنے میں بے نیاز
ہوجاتے ہیں، لہٰذا حق اور صواب کے طلب گار
اور خدا ورسولؐ کی رضاجوئی کے پیرو کے لیے اسکے
سوا چارۂ کار نہیں کہ جس شخص کی رُوح کو ثواب
پہنچانا منظور ہو، بِلاقید دن اور خاص ہیئتِ اقسام
کھانا اور کھانے والوں کے جو چیز فقیر اور محتاجوں کے
حق میں بہتر اور زیادہ نفع پہنچانے والی ہو —
خلوصِ نیت سے صرف کرے اور اس شخص کی طرف
سے نیت کر کے کرائے، اگر دُعا بھی کرے بہتر
ہے اور تمام قیود و رسوم کو یکلخت دُور کر دے، اور
یہ گمان نہ کرے کہ مُردوں کو نفع پہنچانا کھانا اور
فاتحہ خوانی کے ساتھ اچھا نہیں ہے، بلکہ غرض یہ
ہے کہ رسم کا پابند نہ بنے اور بے تعیّن تاریخ و دن
و جنس و اقسام کھانا ہر وقت اور جس قدر بھی ثواب
کا باعث ہو، عمل کرتا رہے اور جب کسی مُردے
کو نفع رسانی منظور ہو، صرف کھانے ہی پر موقوف
نہ رکھے، اگر آسانی ہو جائے بہتر ہے۔ نہیں، تو
سورۂ فاتحہ اور قل ہُوَ اللّٰہ احد بہترین ایصال ثواب
ہے، نیز تاریخ اور دن وغیرہ کے تعین میں دشواری
پیش آیا کرتی ہے اور اس کا اہتمام وغیرہ کرنا تضیع
اوقات کا باعث ہوتا ہے اور بہت سے

و بیگانہ آشنا و نا آشنا بروز و تاریخ
منتظر و مترقب می ماند و اقربا فراہم می آیند
و انساں را خواہ نخواہ انچہ کردن دشوار
می بود سر انجام آں ضرور می افتد

اہم کام چھوٹ جاتے ہیں، اسی طرح اپنے اور
بیگانے آشنا اور پرائے تاریخ وغیرہ پر منتظر
رہتے اور اقربا بھی اکٹھا ہو جاتے ہیں' انسان
کو خواہ مخواہ جو دشوار رہوتا ہے۔ پورا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرّہٗ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی کو نقل کرنا غلط ہے، والد صاحب مرحوم مدتہائے دراز اُن کی خدمت میں رہے تھے۔ جو کہ تقریباً سات آٹھ برس یا زائد ہوتی ہے، ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس طریقہ سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمہ اللہ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دے لیتے ہیں (او کما قال) بہر حال کوئی تقیید وہاں نہ تھا اور ہوتا کیوں کر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدّث دہلوی رحؒ کے خاص شاگرد تھے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان قیود و رسوم پر انکار فرمایا ہے۔ والد صاحب مرحوم نے جو اپنے پیر و مرشد میں فنا تھے، اگر وہاں کا طریقہ پسندیدہ ہوتا، تو ضرور عمل میں لاتے۔ مَیں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مرادآبادی کو دیکھا ہے۔ مدینہ منوّرہ میں بھی اور مونگیر میں بھی بہت آمد و رفت اُن کی خدمت میں رہی اور بہت زیادہ خلط و ملط کے ساتھ رہا، موصوف بہت عنایت فرماتے تھے، مگر مَیں نے کبھی اُن کے ہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے، ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوّف ہوتے ہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسّلام
ننگِ اسلام حسین احمد غفرلہٗ

علم اور عقل

❁*❁

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

علم کے فضائل اور عقل کے کارناموں سے آج تک نہ کسی کو انکار ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے نہ انکار ہو سکنے کی کوئی وجہ ہے بقائے نظام عالم، قیام زمین و آسمان، ارتباط اضداد، اعتدال عناصر اربعہ غرضکہ عالم کی کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی ہر ایک کا موقوف علیہ انہیں دو میں سے ایک ہوگا ناممکن ہے کہ کوئی ایسی چیز معلوم کی جاسکے جو ان دونوں کی سلطنت عامہ سے خارج ہو، یہی وجہ ہے کہ مالک الملک کے اوصاف میں سے علیم بھی ہے حکیم بھی۔

ہاں! یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس قدر اشیاء عالم میں موجود ہیں جواہر ہوں یا اعراض، اجسام ہوں یا اُن کے طبائع، جب تک وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہیں ان کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اور جب وُہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مل جاتی ہیں تو اُنکا مزاج کچھ اور ہو جاتا ہے، اس سطوت و جبروت کے بادشاہ کو دیکھو کہ جب وہ تخت شاہی پر رونق افروز ہوتا ہے، امراء اور وزراء مؤدبانہ دست بستہ اس کے سامنے ہیں وہ چیں بجبیں بیٹھا ہوا ہے شاہی احکام نافذ کرتا ہے کسی امیر یا وزیر کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔ بجز۔ بجا درست کے گویا اور کوئی لفظ اُن کو بولنا ہی نہیں آتا ہے چہرہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں قہر و غضب کے سوا رحم و رأفت کا نام بھی نہیں، کسی کو یہ بھی طاقت نہیں کہ اس کو آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔ وہی بادشاہ جس وقت دربار سے علیحدہ ہوتا ہے، محل سرا میں جاتا ہے۔ باندی غلام بی بی بال بچے سامنے آتے ہیں یہ ان کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور اس قدر خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرتا ہے کہ جس طرح دربار میں قہر و غضب کے سوا رحم و کرم کا نشان بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ اب لطف و شفقت کے علاوہ کوئی دوسری بات معلوم نہیں ہوتی ہے یہ وہی بادشاہ ہے کہ اہل دربار اس کے سامنے بات کرنا تو درکنار اس کو نظر بھی اُٹھا کر نہ دیکھ سکتے

تھے، حرم شاہی میں اسی کے سامنے چہل پہل مچی ہوتی ہے۔ آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور اس کو یہ کچھ بھی گراں نہیں گزرتا ہے۔ یہی بادشاہ جب اپنے مصاحبوں کے ساتھ بزمِ نشاط میں آتا ہے، تو عادات اور اخلاق میں زیادہ وسعت معلوم ہونے لگتی ہے، یہی بادشاہ جب ان مصاحبوں کو لے کر جو اسی لیے رکھے گئے ہیں شکار کو جاتا ہے تو اس کے اوصاف کچھ اور ہی ہوتے ہیں، یہی بادشاہ جب تخلیہ میں جاتا ہے تو کچھ اور عادات اختیار کر لیتا ہے۔

غور کرو کہ عادات کا یہ بیّن اختلاف کیوں ہوتا ہے۔ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تک نظریں دوڑانے کے بعد اس سے زیادہ معلوم نہ کر سکو گے کہ اس اختلاف کی اصل وہی امتزاجی ترکیب ہے جب امراء وزراء سلطنت کے ساتھ اجتماع ہُوا تو اور رنگ ہُوا اور جب حرم شاہی کے ساتھ اختلاط ہوا تو کچھ اور،

اور یہی وجہ ہے کہ اگر تعمق کی نظر سے دیکھو گے تو اس نتیجہ تک بآسانی پہنچ جاؤ گے کہ جب دو شخصوں میں باہمی ربط اور اتحاد ہوتا ہے۔ تو ہر شخص کو کچھ نہ کچھ تغیّر اپنی عادت میں کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنی تمام عادات پر باقی رہنے کے بعد کسی دوسرے سے رشتہ موانست قائم کر سکے۔

صانع حقیقی نے جس قدر مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ اس کے اشخاص و انواع کے احصاء کا خیال حماقت کا نتیجہ ہے۔ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ساری مخلوق کے اجناس قریبہ کا پتہ لگانا بھی ناممکن ہے اور نہ آج تک کوئی لگا سکا، باوجود اس کثرت کے صورتوں کا اختلاف ایسا قائم رکھا کہ ایک دوسرے سے مشتبہ ہو ہی نہیں سکتا، ایک لکھنے والے کی تحریر کو دیکھو اس کی تحریر ایک طرز کی ہوگی۔ ہر شخص کہہ دے گا کہ یہ چند تحریریں ایک ہیں، خطوط کی روش، تحریر کا طرز ایسا ملتا جلتا پاؤ گے کہ ایک دوسرے سے تمیز ہی حاصل نہ ہوگا، ایک زرگر کو دیکھو اس کے ساتھ کا بنا ہُوا زیور ایک ہی وضع کا ہوگا۔ ایک بڑھئی اور راج کو دیکھو ان کے ہاتھ کی بنی ہُوئی چیزیں ایک ہی ساخت کی ہوں گی۔ غرض یہ کہ دُنیا کا کوئی کاریگر کوئی کارخانہ ایسا نہیں کہ جس کی بنائی ہُوئی چیزیں آپس میں مشتبہ نہ ہوں، لیکن یہ صناع عالم ہی کا دست قدرت ہے کہ اس نے باوجود غیر متناہی اشخاص کے تمیز تام کو بھی باقی رکھا اور جس طرح کہ صورتوں کا اختلاف تام رکھا اسی طرح مزاجوں میں بھی تمایز رکھا۔ اگر زید کی صورت عمرو سے نہیں مل سکتی ہے اور یہ دونوں الگ الگ پہچانے جا سکتے ہیں تو ان کے مزاج بھی ایسے مختلف ہیں کہ تشابہ نہیں ہو سکتا

جب ان میں موافقت ہوگی تو ضرور کچھ آثار اِس مزاج کے اُس کے مزاج میں اور کچھ آثار اِس مزاج کے اُس مزاج میں اثر کریں گے، بغیر اس تاثیر اور تاثر کے اتفاق واتحاد ناممکن ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوچکی کہ اشیاء کی انفرادی تاثیریں اور ہوتی ہیں اور اجتماعی کچھ اور تو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور فرمان، من ترک الصلٰوۃ متعمدًا فقد کفر۔ کے معنی میں بھی کوئی اشکال باقی نہ رہا اور نہ صرف اس ارشاد نبوی ؐ کے معنی بلکہ اس قسم کی جس قدر احادیث کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں ان سب میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس مقدس فرمان نبوی ؐ کو معلوم کرلینے کے بعد دو جماعتیں ہوگئیں ایک جماعت نے تو بغیر کسی تامل کے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس صریح الفاظ کے ساتھ ارشاد ہوا اُس کو انہیں اسی معنی پر رکھو، چنانچہ انھوں نے اس قول کو معمول بنالیا کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے۔ دوسری جماعت نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور کہا کہ بے شک ترک صلوٰۃ کبائر میں سے ہے، لیکن مرتکبینِ کبائر نصوص قطعیہ قرآنیہ اور ارشاداتِ نبویہ کے موافق حلقہ اسلام میں ہی رکھے گئے ہیں اور ان کے مسلمان رہنے پر ایک دو نہیں بلکہ متعدد شواہد موجود ہیں، تصریحات کے ان تمام ذخائر پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے کہ تارک صلوٰۃ پر کفر کا حکم کردیا جاوے، بناءً علیہ اس جماعت نے محاورات عرب، اصول شرع نصوص قرآنیہ، ارشادات نبویہ کے موافق ایسے معنی بیان کیے کہ یہ حدیث بھی اپنے معنی پر رہے اور اُصول شرعیہ ونصوص قطعیہ کی مخالفت بھی باقی نہ رہے، چنانچہ کسی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے قصدًا نماز ترک کی وہ کُفر کے قریب پہنچ گیا، بعض نے کہا کہ اس نے عادات کفر کو اختیار کیا، اس حدیث کے متعلق معانی کے اختلاف اور اُن کے دلائل ہم کو بیان کرنا نہیں ہیں، ہم اس وقت اس حدیث کے ایسے معنی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جن کا ہمارے مضمون سے تعلق ہے۔

غرض کہ اس مذہب کو اختیار کرلینے کے بعد کہ تارکِ صلوٰۃ عامدًا نہایت ہی سخت گناہ کا مرتکب اور سخت سے سخت سزاؤں کا مستحق ہونے کے باوجود کافر نہیں ہے، جماعت اسلام میں ضرور داخل ہے اکابر اُمّت نے اس حدیث کے معنی بھی مختلف بیان کیے ہیں، لیکن ہماری گزارش پر اگر غور کیا گیا ہوگا تو ظاہر ہوجاوے گا کہ مذکورہ بالا مذہب کو اختیار کرلینے کے بعد بھی حدیث میں تاویل کی ضرورت

باقی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر سمجھو کہ ادویہ کی ایک تاثیر ہوتی ہے کہ اُن کی انفرادی حالت میں ہوتی ہے اور دوسری وہ ہوتی ہے کہ جب اس کی ترکیب کسی دوسری دوا کے ساتھ کی جاوے اور دونوں وقت اُن کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً زیتون کی تحقیق کُتب طبیہ سے کرو تو معلوم ہو گا کہ اس میں اور تاثیرات کے علاوہ خالق جل جلالہ نے بے خوابی اور لاغری پیدا کرنے اور پھیپھڑے کا ضرر بھی ودیعت کر دیا ہے، لیکن اگر اس کو مغز اخروٹ اور بادام کے ساتھ کھایا جاوے تو اس میں یہ ضرر باقی نہیں رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قطع نظر کیے جانے کے قابل نہیں ہوتی کہ ادویہ اگرچہ ترکیبی حالت میں اپنے اپنے بعض اثرات میں تغیرات حاصل کر لیتی ہیں، مگر بعض خواص ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اجتماعی حالت میں بھی تغیّر پذیر نہیں ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک قسم کا زہر قاتل ہے، اس کو بعض چیزوں کے ساتھ ملاؤ تو اس کی قوّت دوگنی ہو جاتی ہے، شکر وغیرہ کے ساتھ ملاؤ تو اگرچہ اس کی تلخی میں فرق آجاوے مگر تعلقات جسم اور رُوح کو قطع کرنے کا اثر اس وقت تک بھی نہ جاوے گا، غرض یہ کہ ہماری اس گزارش کے بعد چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) اشیاء کا انفرادی اثر اور ہوتا ہے اور امتزاجی اور۔

(۲) ہر چیز میں بعض آثار ایسے ہوتے ہیں کہ جو ترکیبی حالت میں بدل جاتے ہیں۔ اور بعض خواص تغیّر پذیر نہیں ہوتے۔

(۳) یہ سمجھ لینا غلطی ہے کہ انفرادی اثر اجتماعی حالت میں بھی ضرور رہے گا۔ مجھ سے خود ایک حاذق طبیب نے بیان کیا کہ مَیں نے کسی مریض کو نسخہ لکھ کر دیا۔ مریض نے عطار سے دوائیں لیں عطار نے ایک دوا کم کر دی۔ مریض نے وجہ پوچھی عطار نے کہا کہ تم جس مرض کی دوا کر رہے ہو یہ دوا اسی مرض کو زیادہ کرتی ہے اور یہ کہہ کر مفردات طب کی کوئی کتاب اس کو دکھا دی، وہ بیچارہ گھبرا کر میرے پاس آیا مَیں اس کو بمشکل سمجھا سکا کہ اس کے ضرر کی اصلاح مَیں نے فلاں فلاں دواؤں سے کر لی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ غور کریں گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ جس طرح زہرِ قاتل کسی چیز کے ساتھ مل کر اپنی تلخی اور شیرینی میں کچھ فرق پیدا کرے تو کرے، لیکن قیدِ حیات سے رہا کر دینا اس سے مُنفک نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح شرک و کُفر کی تاثیر یہ ہے کہ وہ اور اعمالِ صالحہ کے

ساتھ مل کر اگرچہ کمی وزیادتی کا فرق پیدا کریں، لیکن خُلُوْد فِی النَّار اس کا ایک ایسا خاصہ ہے جو کسی عمل صالح کے ساتھ جمع ہونے پر بھی زائل نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ جس طرح بعض دوائیں زہر کھا لینے کے بعد زہر کے اثرات کو زائل کر دیتی ہیں، اسی طرح بعض اعمال صالحہ (مثل ایمان) شرک کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، لیکن یہ ناممکن ہے کہ شرک بھی ہو اور کوئی عمل صالح اس کے اس اثر کو زائل کر سکے اس لیے مُشرک کوئی بڑی سے بڑی عبادت بھی کرے تو خلود فی النّار سے اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک وہ تریاق ایمان سے شرک کے سم قاتل کو بالکل ہی زائل نہ کر دے اور جس طرح زہر کے اثر کو زائل کرنے کے بعد مقویات مفید ہوتے ہیں، اسی طرح شرک کے اثر کو زائل کرنے کے بعد اعمال صالحہ مفید ہو سکتے ہیں اور جس طرح کہ زہر کی مختلف شکلیں ہیں اسی طرح شرک کے بھی مختلف اقسام ہیں، نار جہنّم (اعاذنا اللّٰہ منہا) کے مختلف طبقات میں مشرکین کے مراتب کا اختلاف صراحت کے ساتھ شرک کی کمی اور زیادتی کو بتا رہا ہے، اب یہ بات منقح ہوگئی کہ مُشرک جب تک وہ اپنے کُفر پر قائم ہے اگرچہ بڑی سے بڑی عبادت کیوں نہ کرے مگر خلود فی النّار سے نہیں بچ سکتا، ہاں ایمان لانے کے بعد جب شرک کا اثر زائل ہو چکا تو اب اور اعمال صالحہ مفید ہو سکتے ہیں۔

اسی پر ترک صلوٰۃ کا یہ اثر ہے کہ وہ اپنے مرتکب کو کافر بنا دے اور ہم بلا کسی تاویل کے کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ عامدًا کافر ہے مگر اس کی تاثیر مفردات کی سی تاثیر ہے۔ اگر یہ شرک و کُفر کے ساتھ مخلوط کیا جاوے تب تو مَا زَادَہٗ اِلَّا خُبْثًا عَلٰی خُبْثٍ کا نمونہ بن جاوے گا اور اگر اسلام و ایمان کے ساتھ اس کا اجتماع ہو جاتا ہے اس کا یہ اثر (کافر بنا دینا) زائل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ زہر کی تلخی اور مزہ میں بعض مٹھائیوں یا لذیذ کھانوں میں ملا دینے کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے اسی طرح ترک صلوٰۃ کا اثر اسلام کی شیرینی ہی میں مل کر کافر بنا دینا باقی نہیں رہتا بلکہ اسلام کے ساتھ مل کر اپنے مرتکب کو فاسق کر دیتا ہے اور انسان خلود فی النار سے بچ جاتا ہے اور جس طرح کوئی شخص مفردات طب کی کتابوں کو دیکھ کر نسخہ کی حالت امتزاجی میں بھی انہیں اثرات کو معلوم کرنا چاہے تو احمق ہی سمجھا جاوے گا، اسی طرح جب شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں کہ ترکِ صلوٰۃ عمدًا کا اثر کفر ہے تو اس سن لینے کے بعد بھی کسی شخص کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تارکِ صلوٰۃ عامدًا کو کافر کہہ دے۔

اس گزارش کے بعد نہ کسی تاویل کی حاجت باقی رہتی ہے اور نہ اعتراض کی گنجائش، نبی علیہ

الصلٰوۃ والسّلام کا مقدس فرمان اپنی اصل حالت پر ہے اور نصوصِ شرعیہ اپنے اصل رنگ میں۔

غرض یہ کہ اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بسائط کے آثار کچھ اور ہوتے ہیں اور مرکّبات کی تا
کچھ اور ہمارا مقصود اگرچہ علم اور عقل کی حالت امتزاجی سے ہی بحث کرنا ہے ، مگر ہم اس سے
قبل علم اور عقل کے اثرات اور اُن کی مختصر کیفیت بیان کرنے کے بعد اس ترکیبی حالت کو بیان ک
گے تاکہ بساطت اور ترکیب کی حالتوں میں تمیز تام ہوسکے۔

ظاہر ہے کہ جن اشیاء نفیسہ کی جستجو اور تحصیل کی فکر میں انسان رات دن سرگرداں اور پریشا
مارا مارا پھرتا ہے، وہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔ مطلوب[۱] لِغَیْرِہٖ ، مطلوب[۲] لِذَاتِہٖ وَلِغَیْرِہٖ ، مطلوب[۳] لِغَی
مطلوب لغیرہ تو ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جن کو صرف اس لیے حاصل کیا جاوے کہ ان کے ذریعہ سے ک
دوسری عمدہ چیز حاصل ہوجائے گی، سونا ، چاندی اور دونوں سے بنی ہوئی تمام چیزیں اسی میں دا
ہیں اس لیے کہ یہ دونوں باعتبار اپنی ذات کے معدنی اشیاء میں سے ہیں اور اگر حکیم مطلق نے
ان میں یہ اثر خاص ودیعت نہ فرمایا ہوتا کہ انسانی ضروریات اور حوائج ان کے ذریعہ سے بہم پہنچا کر
تو ان میں اور دوسرے اور قسموں کے پتھروں میں کسی قسم کا کچھ فرق بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ان کی مثال ا
سمجھنی چاہیے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی شخص کے لیے کچھ انعام مقرر کردیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ہما
فلاں خزانچی یا فلاں گورنر کے پاس چلے جاؤ اور اس سے اس قدر مال وصول کرلو اور اگر وہ تمہا
بات کی تصدیق نہ کرے تو تم اس کو ہماری یہ انگوٹھی دے دینا وہ انگوٹھی صرف اس غرض کے ۔
بادشاہ سے لے لی جاتی ہے کہ خزانچی وغیرہ اس کی تصدیق کرے ورنہ خود وہ انگوٹھی مقصود بالذ
نہیں ہے ، بالکل اسی طرح پر تم اس کو سمجھ لو کہ گویا احکم الحاکمین اور ملک الاملاک کی یہ نشانی ہے
مالک جل و علا کی طرف سے دنیوی زندگی بسر کرنے اور ابدی عیش حاصل کرنے کے لیے یہ ن
عطا کر دی گئی ہے، تم جس کو جاکر یہ دے دیتے ہو وہ تم کو تمہاری ضروریات دے دیتا
لیکن اگر وہ شخص خزانچی یا حاکم کے پاس اس انگوٹھی کو پیش نہ کرے اپنے پاس رکھ کر بیٹھ ر
انعام دینے والا بادشاہ بھی ناراض ہوگا کہ اس نے ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ اس مقصود ا
(انعامی مال) سے محروم رہے گا ، اسی طرح جس شخص کو یہ سونا اور چاندی دیا جاتا ہے اگر وہ اس
مصارف شرعیہ جائزہ میں صرف نہ کرے تو اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُ

جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ

جو لوگ کہ تکبّر کرتے ہیں میری عبادت سے جلد داخل ہوں گے دوزخ میں۔

کے موافق مستحق عذاب خداوندی بھی ہوگا اور خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة کے موافق خسران کامل میں بھی مُبتلا ہوگا، ہمارے اس مذکورہ بالا بیان کی تائید وہب بن منبہ کے اس قول سے ہوتی ہے جس کو حلیہ میں ابونعیم نے بروایت ابورفیق بیان کیا ہے۔

حدثنا ابو رفيق قَالَ سَاَلْتُ وَهْبَ بْنَ مُنَبِّهٍ عَنِ الدنانير وَالدَّرَاهِمِ فَقَالَ الدَّنَانِيْرُ وَالدَّرَاهِمُ خواتيم رَبِّ العٰلمين فِي الْاَرْضِ لِمَعَايِشِ بَنِيْ اٰدَمَ لَا تُؤْكَلُ وَلَا تُشْرَبُ فَاَيْنَ ذَهَبْتَ بِخَاتَمِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قُضِيَتْ حَاجَتُكَ

ابو رفیق فرماتے ہیں کہ میں نے دنانیر اور دراہم کے متعلق وہب بن منبہ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ دراہم اور دنانیر مالک جل علا شانہ کی مہریں ہیں جو بنی آدم کی ضروریات (دنیوی یا اخروی) کو پورا کرنے کے لیے ان کو دی جاتی ہیں نہ کھانے کے کام کی ہیں نہ پینے کے مصرف کی، اب تم اس خداوندی مہر کو جس جگہ لے جاؤ گے، تمہاری حوائج تم کو دی جاویں گی

اور یہی تفصیل اس پُر مغز اور مجمل حدیث کی ہے جس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مرفوعًا روایت کیا ہے۔

عن ابی هريرة مرفوعًا الدَّنَانِيْرُ وَالدَّرَاهِمُ خَوَاتِيْمُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ مَنْ جَاءَ بِخَاتَمِ رَبِّهٖ قُضِيَتْ حَاجَتُهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ دینار اور دراہم خدائی زمین میں خداوندی مہریں ہیں، جو شخص اپنے مالک کی مہر لے کر آتا ہے اس کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔

مطلوب لذاتہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی خواہش اس لیے کی جاتی ہے کہ خود اس میں ذاتی فضائل موجود ہیں وہ کسی دوسرے شرف کا وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہوتی ہیں، مثلاً اخروی

سعادت ذات باری تعالیٰ کے مشاہدہ کے لذائذ، منعم حقیقی نے جس قدر انعامات کی بارش اپنی مخلوق پر برسائی ہے اس میں سے اعلیٰ ترین نعمت یہی ہے اور خداوندی کلام وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خَالِدِیْنَ فِیْھَا۔

سعید لوگ جنّت میں ہمیشہ رہیں گے

سے یہی مراد[1] ہے۔ یہی وہ خیر ہے جو تمام شوائب اور تکدرات سے صاف ہے اور یہی وہ فضیلت خالص ہے جس کو خدا کی خاص اور منتخب جماعت کے سوا کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔

مطلوب لذاتہ و لغیرہٖ ایسی چیزیں کہی جاتی ہیں کہ جس میں مذکورہ بالا دونوں صورتیں موجود ہیں طبائع میں ان کی نوعیّت خود اُن کے فضائلِ حمیدہ کی وجہ سے بھی اور وہ کسی امر خیر کے وسیلہ بھی ہوں، مثلاً ہاتھ پاؤں کا سالم ہونا بدن کا تندرست ہونا، چونکہ جوارح کا سالم ہونا سلامت بدن کا مرادف ہے اور تکالیفِ جسمیہ سے بچنے کا نام ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اس کی ذاتی عمدگی کی وجہ سے رغبت ہوتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو چلنے پھرنے کی ضرورت بھی نہ پڑتی ہو تب بھی وہ اس کا خواہش مند ہوتا ہے کہ میرے جوارح میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو، اور چونکہ سلامت جوارح کے ذریعہ سے انسان اپنی ضروریات کو پُورا کر سکتا ہے، اس لیے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان تینوں صورتوں کے سمجھنے اور سُننے کے بعد اس پر غور کرو کہ ان تین قسموں میں سے علم کس قسم میں داخل ہے اور عقل کس نوع میں تاکہ اگر ترجیح کی ضرورت پیش آوے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا آسان ہو۔

اگر علم کے ذاتی لذائذ معلوم کرنا ہوں تو ان لوگوں سے پُوچھو جن کو خداوند عالم نے بحار علم میں غواصی کر کے ان مفید معلومات کو حاصل کرنے کی قوّت دے دی ہے کہ جن کے سامنے لعل و یاقوت ہیچ ہو جاتے ہیں اور جن کو حاصل کرنے والا وَخَیْرُ جَلِیْسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابٌ

عمدہ ہمنشیں دُنیا میں کتاب کے سوا اور کوئی نہیں ہے

کا بامعنی وظیفہ ہر وقت زبان پر رکھتا ہے اس لیے اس کا مطلوب لذاتہ ہونا تو بدیہیات بلکہ اجلی

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین (الجزء الاوّل) ۱۲ منہ

بدیہیات میں سے ہے، اسی طرح پر اس کے مطلوب لغیرہ ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہوسکتا ہے اس واسطے کہ اسی کے ذریعہ سے وہ ابدی حیات حاصل کی جاسکتی ہے جو کسی وقت زوال پذیر نہیں ہوسکتی ہے اس کے ذریعہ سے وہ تونگری حاصل ہوگی جو فقر و احتیاج سے خالی ہوگی، قرب خداوندی تک یہی پہنچا سکتا ہے۔ سعادتِ اخرویہ ابدیہ صرف اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے، اس لیے مطلوب لغیرہ ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد یہ بھی قطع نظر کیے جانے کے قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس کی ضد (جہل) جمع نہیں ہوسکتی، ان دونوں کا اجتماع متنافیین کا اجتماع ہے اس لیے کوئی ایک شخص ان دو متضاد وصفوں کے ساتھ ایک وقت میں موصوف نہیں ہوسکتا ہے۔

اب عقل پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ یہ مطلوب لغیرہ ہے۔ مطلوب لذاتہ نہیں ہے، اس واسطے کہ عقل کی ضرورت محض اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسری عمدہ چیزوں کو حاصل کیا جاوے اور چونکہ ذی وسیلہ کے حسن سے وسیلہ میں بھی حسن (اگرچہ عارضی ہی سہی) آجاتا ہے، اس لیے اس میں بھی حسن ہے، لیکن عقل کے ساتھ اس کا مخالف بھی موجود رہتا ہے جس کو ہم خواہش نفسانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ جس طرح عقل کا مقتضایہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی افضل اور اکمل چیزوں کو اختیار کرے کہ جن کے حاصل کرنے کی ابتداء میں کوئی دقت پیش آوے یا تکلیف برداشت کرنی پڑے، لیکن ان کا انجام بُرا نہ ہو اور خواہش نفس کا مقتضی اس کے خلاف ہوتا ہے، اس واسطے کہ نفس کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ ان چیزوں کے پاس نہ آنے دے کہ جو اس وقت تکلیف دے رہی ہے اگرچہ بعد میں اس کو کوئی سخت نقصان ہی کیوں نہ پیش آوے، اس کو اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی ہے کہ انجام میں کیا ہوگا، اسی واسطے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ جنّت کو مکروہات نفس محیط ہیں اور آتش دوزخ کو خواہشات نفسانی۔

علاوہ ازیں عقل کے ذریعہ سے منافع اور مفاد دونوں کا علم ہوتا ہے اور خواہش نفس کے ذریعہ سے لذائذ کا پتہ چلتا ہے قبائح کا نہیں اسی واسطے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ

حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ

کسی چیز کی محبّت اس کے (قبائح کے دیکھنے سے) اندھا اور (ان کو سُننے سے) بہرا کر دیتی ہے۔

اسی واسطے اکابرِ اُمّت کی رائے ہے کہ جو چیزیں اس کو نافع معلوم ہوں ان کے بارے میں اپنی رائے کا ہرگز ہرگز اعتبار نہ کرے، کیونکہ ممکن ہے کہ قوّتِ عقلیہ نے تمہارے سامنے ان کی تحسین کی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ شہوات نفسانیہ نے اس پر ملمع کر کے تمہارے سامنے لاکھڑا کر دیا ہو، ہاں اگر جن چیزوں کو اپنے لیے باعث ضرر سمجھ لیا ہو ان میں اس بے اعتباری کی وجہ نہیں یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر نے قاعدہ کلیہ کے طور پر فرما دیا ہے۔

عُرِضَ لَكَ اَمْرَانِ فَلَمْ تَدْرِ اَيُّهُمَا اَصْوَبُ فَعَلَيْكَ بِمَا تَكْرَهُ لَا بِمَا تَهْوَاهُ فَاَكْثَرُ الْخَيْرِ فِى الْكَرَاهَةِ

جب تمہاری نظر میں دو چیزیں آجاویں اور تم اس کو طے نہ کر سکو کہ ان میں زیادہ عمدہ کون ہے تو تم ان دونوں میں سے اس کو اختیار کر لو جو تمہارے نفس کو گراں گزرتا ہو، اس پر عمل نہ کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو، اس واسطے کہ خیرِ کثیر ایسی ہی چیزوں میں ہے جو نفس کی مخالف ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے محبوبات نفس کے بارے میں تو فرمایا کہ

عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ

ہو سکتا ہے کہ تم کو بعض ایسی چیزیں پسند آویں جو فی الحقیقت تمہارے لیے بری ہوں

اور مکروہات نفس کے بارے میں فرمایا کہ

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو بُرا سمجھو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیرِ کثیر رکھ چھوڑی ہو۔

حضرت منشی رحمت علی جالندھری رح

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بھکر

حضرت منشی رحمت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھران ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے آپ کی تعلیم صرف سکول کی پانچ جماعت تک تھی۔ رائے پور گجراں کے امدادی پرائمری سکول میں مدرس تھے۔ اس علاقہ کے مشہور اور باکمال بزرگ حضرت حافظ محمد صالح صاحب آپ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کی رغبت دلاتے رہتے تھے لیکن آپ تیار نہ ہوتے تھے ایک دن حضرت حافظ صاحب سے عرض کیا کہ

"مجھے تو حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رح جہاں فرمائیں گے وہیں بیعت ہوں گا۔"

اسی رات کو خواب میں حضرت پیرانِ پیر کی زیارت ہوئی اور حکم ملا کہ

"حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے بیعت ہو جاؤ۔"

تین دن تک یہی خواب دیکھتے رہے۔ حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ

"مجھے تسلّی ہو گئی ہے۔ آپ میرے ساتھ گنگوہ چلیں"

دونوں حضرت گنگوہی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت منشی صاحب اپنا خواب سنانے کے بعد حضرت گنگوہی رح سے بیعت ہو گئے۔ واپس آکر اپنے اوراد و وظائف میں پوری ہمّت اور مستعدی سے مشغول ہو گئے اپنے شیخ کی محبّت اور عقیدت بڑھتی چلی گئی اور سلوک و تصوّف کی منازل بڑی سُرعت اور تیزی سے طے کرتے چلے گئے۔

اسی زمانہ میں حضرت گنگوہی رح کے صاحبزادے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب رح کی شادی ہوئی حضرت منشی صاحب بھی اپنے شیخ کے حکم پر حاضر ہوئے۔ دارالعلوم دیو بند کے علماء اور طلبہ کے قافلہ کی

آمد کی اطلاع پہنچی تو آپ بھی اس مُبارک قافلہ کے استقبال کو گئے۔ فرماتے تھے کہ

"مجھے مدت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی زیارت کا شوق تھا۔ قافلے میں آگے چلنے والے حضرات سے مَیں نے حضرت کے متعلّق پُوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ حضرت پیچھے آرہے ہیں قافلہ میرے پاس سے گزرتا رہا اور مَیں جس سے پُوچھتا وہی پیچھے کو اشارہ کرتا۔ قافلہ گزر چکا تو مَیں نے خیال کیا کہ حضرت تو آگے نکل چکے ہیں۔ قافلہ کے بالکل آخر میں ایک سفید ریش بوڑھے بزرگ تھے۔ پستہ قد، نصف پنڈلی تک پاجامہ۔ کندھے پر کھدر کی چادر اور سر پر سادہ کپڑے کی ٹوپی۔ مَیں نے ان سے پُوچھا کہ مولانا محمود الحسن کہاں ہیں وہ بولے۔

"میرا نام بھی محمود ہے"

مَیں نے اُن کے کندھے کو جھٹکا سا دیا اور کہا۔

"مَیں مولانا محمود الحسن صاحب کا پُوچھتا ہُوں جو دیوبند کے صدر مدرس ہیں۔"

وہ بولے:

مَیں بھی وہیں پڑھاتا ہوں۔

مَیں پانی پانی ہوگیا اور اپنی گستاخی پر ندامت ہُوئی میرا خیال تھا کہ حضرت لمبے قد کے اور عمامہ جبہ پہنے ہوں گے۔

یہ حضرت گنگوہیؒ کا آخری زمانہ تھا۔ آپ نے اپنے آخر وقت میں حضرت منشی صاحب کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا اور فرمایا کہ

"ان کی تربیت پُوری توجہ سے کرنا۔ یہ بہت کام کے آدمی ہیں۔"

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے آپ کی تربیت فرمائی اور اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کے تین خلیفہ مشہور ہُوئے ہیں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر

رائے پوریؒ۔ حضرت منشی رحمت علی جالندھریؒ اور مولانا اللہ بخش بہاولنگریؒ۔ ان تینوں بزرگوں کا آپس کا تعلّق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلّق کا نمونہ تھا۔ ایک دوسرے کا بہت احترام کرتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اپنی زندگی میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو اپنا جانشین نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت منشی صاحب اور حضرت بہاولنگری شیخ کے جانشین حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو اپنا پیر اور شیخ ہی سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی جب جالندھر میں آمد ہوتی تو حضرت منشی صاحب خوشی سے جھومنے لگے۔ اپنے خدّام اور متوسلین کو پکار پکار کر کہتے کہ

"چلو میرے حضرت آرہے ہیں"

استقبال کے لیے اسٹیشن جاتے۔ جب تک حضرت کا قیام رہتا۔ خود کسی کو بیعت نہ کرتے تھے ایک دفعہ ایسے ہی موقعہ پر کسی نے بیعت کے لیے عرض کیا تو آپ کو ناگوار ہُوا اور فرمایا۔

"ارے گستاخ۔ میرے پیر بیٹھے ہیں میں ان کی موجودگی میں کیسے بیعت کر کرسکتا ہوں"۔

اگرچہ آپ نے علوم ظاہریہ کی تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا نوازا تھا کہ جب مجلس میں تقریر فرماتے تو علم و معرفت کے دریا بہا دیتے تھے۔ بڑے بڑے عُلماء بھی سُن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

حضرت قاری مولانا محمّد طیّب صاحب مدظلہٗ کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شریک ہُوئے۔ ایک طرف خاموش بیٹھے تھے۔ حضرت قاری صاحب نے آپ کو اظہار رائے کے لیے کہا تو آپ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ آپ تقریر فرما رہے تھے اور سب اراکین شوریٰ رو رہے تھے۔ آپ نے ایک اہم معاملہ پر گفتگو فرمائی اور ساری شوریٰ کو ہمنوا بنا لیا۔ ایک مشکل اور نازک معاملہ آسانی سے طے ہوگیا۔

ایک دفعہ حضرت منشی صاحبؒ خلاف عادت مجلس میں مراقب بیٹھے ہُوئے تھے آپ کے سامنے مولانا قمرالدین صاحب بیٹھے تھے جو قوم کے گجر تھے۔ اچانک آپ نے سر اُٹھایا اور فرمایا۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

مولانا قمرالدین صاحب چیخ مار کر رونے لگے اور معافی مانگنے لگے گئے۔ آپ فرماتے۔

کوئی بات نہیں۔ صبر کرو

مگر مولانا زار زار روتے اور معافی مانگتے۔ آپ اُٹھ کر نماز کے لیے مسجد کو چلے گئے۔ مولانا عبدالعزیز منیاں والوں نے مولانا قمرالدین صاحب سے پُوچھا کہ

"ہمیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بات کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا۔

بھائی حضرت کے سامنے بیٹھے ہُوئے میرے نفس نے شرارت کی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ہم قوم کے گجر ہیں اور حضرت قوم کے میراثی ہیں۔ دیکھو یہ کس مقام پر ہیں اور ہم کس مقام پر۔ بس یہ خیال میرے دل میں آیا اور حضرت پر منکشف ہوگیا۔ حضرت نے یہ شعر پڑھ دیا۔

آپ تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں میں تشریف لے گئے تو واپسی پر حضرت حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے خانقاہ میں گئے۔ حضرت تھانویؒ ایسے ملے جیسے پُرانی واقفیت ہوتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے کھانے کو پُوچھا تو آپ نے فرمایا

"کھانا ہمارے پاس ہے"

حضرت نے فرمایا کہ آپ کا کھانا ہم کھائیں گے۔ حضرت تھانویؒ نے کھانے کا اہتمام فرمایا اور زنان خانہ کے ساتھ والی بیٹھک میں لے گئے۔ وہیں ایک دستر خوان پر اکٹھے کھانا کھایا۔ روانگی کے وقت حضرت تھانویؒ آپ کے ساتھ الوداع کے لیے اسٹیشن چلنے لگے تو آپ نے ٹھہرنے پر اصرار فرمایا۔ حضرت رُک گئے۔ آپ اسٹیشن پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت تھانویؒ ایک آدمی کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے پہنچتے ہی فرمایا کہ

"حضرت۔ مَیں آپ کے فرمانے سے رُک گیا تھا آپ کے بعد یہ صاحب آئے اور مَیں نے اُن سے ذکر کیا کہ اگر تھوڑی دیر پہلے آجاتے تو آپ کو ایک بزرگ کی زیارت کراتے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تشریف لائے تھے۔ اُنھوں نے زیارت کے شوق سے اسٹیشن آنے کا ارادہ کیا تو مَیں بھی

ساتھ ہولیا۔"

حضرت منشی صاحبؒ کا کپڑا بچھا ہُوا تھا۔آپ نے حضرت تھانویؒ کو تشریف رکھنے کے لیے فرمایا تو حضرت تھانویؒ نے وہ کپڑا اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اپنا رومال بچھا دیا جس پر دونوں بزرگ بیٹھ گئے گاڑی کے آنے تک باتیں ہوتی رہیں۔گاڑی آئی۔حضرت منشی صاحبؒ سوار ہُوئے۔گاڑی گاڑی چل پڑی جب تک آپ نظر آتے رہے حضرت تھانویؒ پلیٹ فارم پر کھڑے دیکھتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑے کمالات عطا فرمائے تھے۔مخلوقِ خُدا کا آپ کی طرف بہت رجوع ہُوا ہزاروں بندگان خدا کو اللہ کا نام سکھایا اور شریعت و طریقت کے زیور سے آراستہ کیا اپنے گاؤں بہراں ہی تھے کہ فالج کا شدید حملہ ہُوا اور زبان بند ہوگئی۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اطلاع ملتے ہی بہراں پہنچے اور علاج کے لیے آپ کو جالندھر لے گئے۔

سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹر انچارج آپ کے مرید تھے۔اُنھوں نے ایک وسیع کمرہ خالی کر کے آپ کو ٹھہرا دیا۔مگر آپ کی طبیعت نہ لگی اور بے چین رہنے لگے۔حضرت رائے پوریؒ تشریف لائے تو آپ نے حضرت کا ہاتھ مُبارک پکڑ کر دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا اور ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ مجھے یہاں سے لے جاؤ۔حضرت یہیں رکھ کر علاج کرانا چاہتے تھے مگر آپ کی بے چینی اور اصرار کو دیکھ کر مولانا غلام رسول صاحب مرحوم کی مسجد میں لے گئے جہاں حضرت رائے پوریؒ کا قیام تھا۔

وہاں پہنچ کر جو وقت رہے۔بہت خوش رہے اور وہیں آپ کا وصال ہُوا۔جنازہ میں بے پناہ اجتماع تھا۔حضرت رائے پوریؒ کے حکم پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم (جو اس وقت حضرت رائے پوریؒ کے جانشین ہیں) نے نماز جنازہ پڑھائی اور جالندھر میں آپ کا مزار بنا۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

کیا یہی تہذیب ہے؟

خواجہ فیض لدھیانوی

○

وائے نادانی خُدا کے آستاں کو چھوڑ کر
دامنِ شیطاں سنبھالو کیا یہی تہذیب ہے؟
بے تکی باتیں بناؤ اپنے مذہب کے خلاف
اس میں تم رخنے نکالو کیا یہی تہذیب ہے؟
باپ دادا کی روش سے منحرف ہوجاؤ تم
کالجوں میں پڑھنے والو کیا یہی تہذیب ہے؟
کذب گوئی کو سمجھ بیٹھے ہو معیارِ کمال
سچ بتاؤ بے کمالو کیا یہی تہذیب ہے؟
مغربی ٹوپی پہن کر غیر کی تقلید میں
قوم کی پگڑی اچھالو کیا یہی تہذیب ہے؟
مختصر تعلیم پاکر دل کے احساسات کو
فخر کے سانچے میں ڈھالو کیا یہی تہذیب ہے؟
ملک کا حال زبوں سرمایۂ تضحیک ہو
اس چمن کے نونہالو کیا یہی تہذیب ہے؟
ذوقِ آرائش میں صبح و شام رہتے ہو مگن
نوجواں نازک خیالو کیا یہی تہذیب ہے؟

اپنی حیثیّت سے بڑھ کر پاؤں پھیلانے لگو
اور چادر پھاڑ ڈالو کیا یہی تہذیب ہے؟
اہل خانہ سے جُدا ہو کر مہذّب بن گئے
ہوٹلوں سے لو لگا لو کیا یہی تہذیب ہے؟
فیض کے اشعار پڑھ کر اے عزیزانِ وطن
سوچو، سمجھو، دیکھو بھالو کیا یہی تہذیب ہے؟

(آفتاب لکھنو صا شمارہ ۹ ج ۲ محرم ۱۳۵۷ھ)

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ ۲۴ جولائی کو مولانا سیّد عبداللہ صاحب کاکاخیل اچانک حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون مرحوم راقم کے خسر تھے۔ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں فقہ اور حدیث کے اُستاد تھے ـــــ مرحوم حضرت مولانا سیّد عبدالحق صاحبؒ (عرف نافع گل) کاکاخیل سابق مدرس دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے رفیقِ کار اسیرِ مالٹا حضرت مولانا سیّد عزیرگل صاحبؒ کے تایا تھے ـــــ مرحوم نے پسماندگان میں دو بیوائیں اور سات اولادیں چھوڑیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ مرحوم کو آبائی قبرستان میاں گانوکلے مالاکنڈ ایجنسی میں سُپردِ خاک کیا گیا۔ (مدیر)

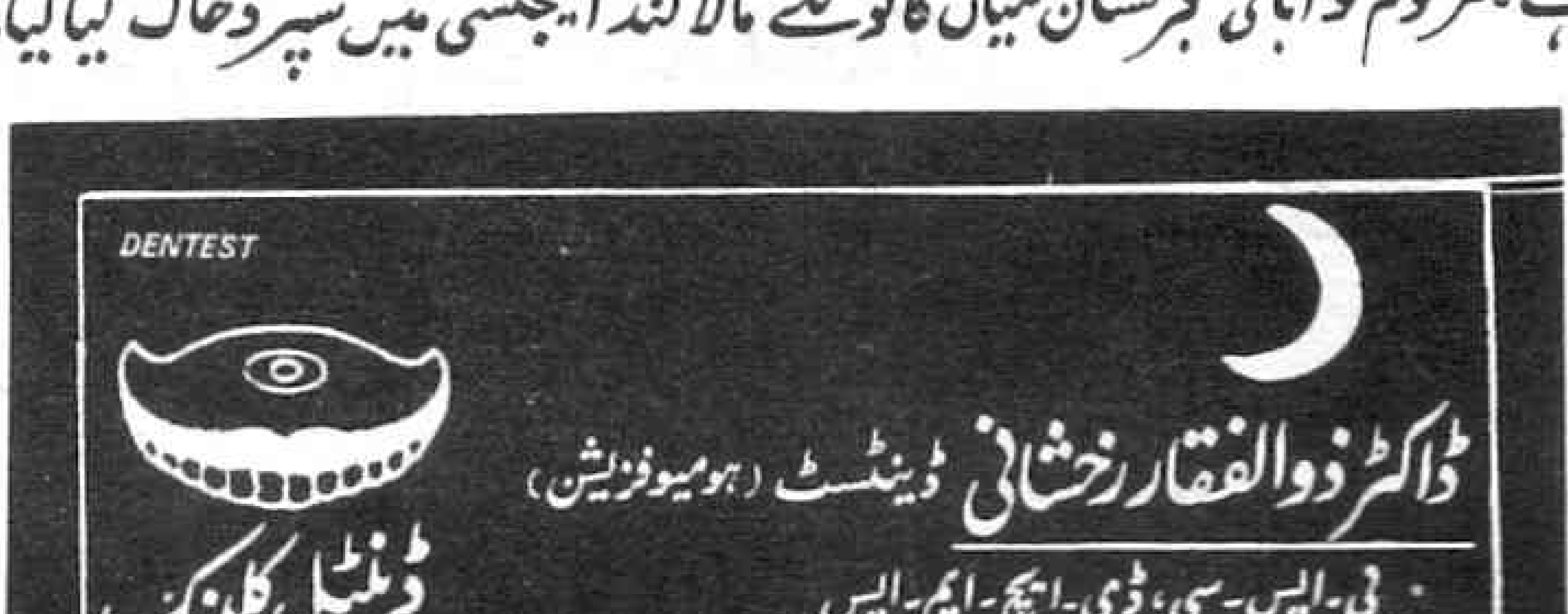

کھانے کے احکام و مسائل

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

کھانا کھانے کے پانچ درجے ہیں

پہلا درجہ :- فرض کا ہے یعنی اتنی مقدار کا کھانا فرض ہے کہ آدمی ہلاکت سے بچ جائے اور فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے ۔ لہٰذا اگر کسی نے کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ مر گیا تو وہ نافرمان مرا۔

دوسرا درجہ :مندوب کا ہے یعنی فرض کی مقدار سے اس قدر زیادہ کھائے جس سے نوافل پڑھنے اور علم سیکھنے میں سہولت ہو۔

ان دونوں درجوں کے مطابق کھانے میں ثواب ملتا ہے۔

تیسرا درجہ :- مباح کا ہے یعنی اس سے بھی زیادہ سیر ہونے تک کھائے اس غرض سے کہ بدن کی قوت میں اضافہ ہو۔ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ ہے اور اتنی مقدار تک اخروی حساب بھی آسان ہوگا، بشرطیکہ طعام حلال ہو۔

چوتھا درجہ :- مکروہ کا ہے یعنی سیر ہونے کے بعد کچھ زائد کھانا جس سے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر یہ اس غرض سے ہو کہ کل کے روزے میں تقویت رہے گی یا اس کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کھانے میں شرم محسوس کرے گا اور وہ بھی ہاتھ کھینچ لے گا تو پھر مکروہ نہیں۔

پانچواں درجہ :- حرام کا ہے جو یہ ہے کہ سیری سے بھی اتنا زیادہ کھائے کہ بدہضمی ہونے کا اندیشہ ہو۔

مسئلہ :- کوئی ایسا ذی وجاہت شخص ہو جس کے بھوک ہڑتال کرنے سے جائز مطالبہ پر اثر پڑے گا تو وہ مندوب اور مباح درجہ کو چھوڑ سکتا ہے لیکن ایسی بھوک ہڑتال کہ جس میں فرض نماز پڑھنے کی قوت ختم ہو جائے یا موت کا اندیشہ ہو جائے جائز نہیں۔

مسئلہ : روٹی بیچ بیچ میں سے کھالے اور کنارے چھوڑ دے یا ایک روٹی میں سے پھولا ہوا حصہ کھالے اور باقی چھوڑ دے ۔ یہ اسراف ہے ——— اور اس میں ایک طرح کا اترانا ہے لیکن

اگر دوسرا شخص اس کو کھالیتا ہو تو کچھ ڈر نہیں۔

مسئلہ:۔ جو لقمہ ہاتھ سے گر پڑے اس کا ترک کر دینا بھی اسراف ہے بلکہ چاہیے کہ پہلے اس کو اُٹھا کر کھالے پھر دوسرا کھائے۔

مسئلہ:۔ روٹی کی تعظیم میں سے ایک یہ ہے کہ جب روٹی سامنے آئے تو کھانا شروع کر دے سالن کا انتظار نہ کرے۔

مسئلہ:۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا سُنّت ہے۔ اگر کسی نے ایک ہاتھ دھویا یا دونوں ہاتھوں کی صرف اُنگلیاں دھولیں یا صرف ہتھیلیاں دھولیں تو دونوں ہاتھ دھونے کی سُنّت ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوکر ان کو کپڑے سے نہ پونچھے تاکہ کھانا شروع کرنے تک دھونے کا اثر باقی رہے، البتّہ کھانے کے بعد دھوکر پونچھ ڈالے۔

مسئلہ:۔ کھانے میں سُنّت یہ ہے کہ شروع میں بسم اللّٰہ کہے اور آخر میں الحمدللّٰہ پڑھے اگر شروع میں بسم اللّٰہ بھول جائے تو جب یاد آئے یُوں کہے بسم اللّٰہ اَوّلَہٗ وَآخِرَہٗ۔ اور جب بسم اللّٰہ کہے تو چاہیے کہ بلند آواز سے کہے تاکہ جو لوگ ساتھ کھانے بیٹھے ہوں ان کو بھی تلقین ہوجائے اور جب ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھا رہا ہو تو چاہیے کہ الحمد للّٰہ کہنے میں آواز بلند نہ کرے لیکن اگر ساتھی بھی کھانے سے فارغ ہو گئے ہوں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:۔ ایک سُنّت یہ ہے کہ نمک کے ساتھ کھانا شروع کرے اور نمک ہی پر ختم کرے۔

مسئلہ:۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھونے پر پونچھنے سے پہلے اُنگلیوں کو خُوب چاٹ لے۔

مسئلہ:۔ یہ سُنّت میں سے ہے کہ سالن کے لیے پلیٹ کے وسط میں ہاتھ نہ ڈالے بلکہ اپنی جانب ایک جگہ سے لگائے، البتّہ ایک طبق اور ٹرے میں مختلف قسم کے پھل ہوں تو جو چاہے لے سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ ننگے سر کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ کھانا کھاتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ کھڑی رکھے اور بائیں ٹانگ بچھالے۔

مسئلہ:۔ ٹیک لگا کر کھانا سُنّت کے خلاف ہے۔ ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں کا ایک ہی حکم ہے۔ اوّل یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگاتے۔ تیسرے

یہ کہ چوکڑی مار کر بیٹھے، چوتھے یہ کہ کمر گاؤ تکیہ یا دیوار سے لگائے۔

مسئلہ:۔ مُنہ کے بل لیٹ کر کھانا منع ہے۔

مسئلہ:۔ جب آدمی بھوک سے ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ جان جاتے رہنے کا خوف ہو اور کھانے کی حلال چیز کوئی میسّر نہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت مردار کھا سکتا ہے اور اگر نہ کھایا اور مر گیا تو گنہ گار ہو گا۔

مسئلہ: چلتے پھرتے چھوٹی موٹی چیز مُنہ میں ڈال سکتے ہیں۔ مثلاً پان، تمباکو، سونف، ٹافی اور ایک آدھ لقمہ لیکن پُورا کھانا کھانا ہو تو وہ بیٹھ کر کھانا چاہیے۔ کھڑے ہو کر کھانا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ میز کرسی پر کھانا یا اپنے سامنے چھوٹی میز پر کھانا رکھ کر کھانا سُنّت کے خلاف طریقہ ہے۔

اگر مجلس دعوت میں کوئی بات خلاف شرع ہو مثلاً گانا بجانا ہو تو اگر وہاں جانے سے پہلے معلوم ہو جائے تو دعوت قبول نہ کرے۔ البتہ اگر قوی اُمّید ہے کہ میرے جانے سے بوجہ میری شرم اور لحاظ سے وہ بات بند ہو جاتے گی تو جانا بہتر ہے اور اگر معلوم نہ تھا اور چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا، سو اگر یہ شخص مقتدائے دین ہے تب تو لوٹ آئے اور اگر مقتدا نہیں ہے، عوام الناس سے ہے تو اگر عین کھانے کے موقع پر وہ خلاف شرع بات ہے تو وہاں نہ بیٹھے اور اگر دوسری جگہ پر ہے تو خیر کھانے پر بمجبوری بیٹھ جائے اور بہتر ہے کہ صاحب مکان کو فہمائش کرے اور اگر اس قدر ہمت نہ ہو تو صبر کرے اور دل سے اسے بُرا سمجھے اور اگر کوئی شخص مقتدائے دین نہ ہو لیکن ذی اثر اور صاحب وجاہت ہو کہ لوگ اس کے افعال کا اتباع کرتے ہوں تو وہ بھی اس مسئلہ میں مقتدائے دین کے حکم میں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی آدمی شہر کے کسی باغ میں گزرا اور کچھ پھل درختوں کے نیچے گرے پڑے ہوں تو اس کے لیے وہ کھانا جائز نہیں مگر جبکہ جانتا ہو کہ مالک کی طرف سے کھانے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہے۔

اگر آدمی شہر سے باہر کسی باغ میں ہو تو اگر گرے ہوئے پھل ایسے ہوں کہ باقی رہتے ہوئے جیسے اخروٹ وغیرہ تو یہ نہیں کھا سکتا، مگر جبکہ مالک کی طرف سے مباح کرنے کا علم ہو اور اگر ایسے پھل ہوں کہ باقی نہیں رہ سکتے جلد خراب ہو جاتے ہیں تو ان کو کھانا جائز ہے جب تک مالک

کی طرف سے ممانعت ظاہر نہ ہو اور ان کو اُٹھا کر اپنے گھر نہیں لا سکتا۔

اگر پھل درخت پر لگے ہوں تو افضل یہ ہے کہ بغیر اجازت کے کسی جگہ سے بھی نہ لے۔ یعنی خواہ شہر کے اندر ہو یا شہر کے باہر ہو لیکن اگر ایسا مقام ہو جہاں یہ پھل بہت ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کچھ توڑ کے کھا لینا مالکوں کو ناگوار نہ ہوگا تو کھا سکتا ہے، لیکن یہ جائز نہیں کہ اپنے ساتھ کچھ باندھ کر بھی لے آئے۔

مسئلہ:۔ حلال جانور کی یہ آٹھ چیزیں کھانا منع ہیں:

پتہ، مثانہ، حرام مغز، غدود، کپورے (یعنی خصیتین) مادہ کی شرمگاہ، نر جانور کی پیشاب کی نالی اور بہتا ہوا خُون۔

مسئلہ:۔ حلال جانور کی اوجھڑی کھانا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ غیر اللہ کے نامزد کیے ہوئے جانوروں کا حکم یہ ہے۔

(۱) اگر کسی جانور کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو وہ حرام ہے۔

(۲) ذبح کے وقت تو بسم اللہ ہی کہا لیکن غیر اللہ کی نامزدگی کی نیت سے ذبح کیا تو یہ بھی حرام ہے۔

(۳) اگر مالک نے اپنی نیت فاسد سے توبہ کر لی اور غیر اللہ کے لیے اس جانور کی نامزدگی سے رجوع کر لیا پھر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا تو وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ غیر اللہ کے نامزد کیے ہوئے وہ جانور حرام ہوتے ہیں جو اس غیر اللہ کے تقرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے نامزد کیے گئے ہوں اور اگر غیر اللہ کا نام محض عنوان کے طور پر ہو، تقرب اور رضا حاصل کرنے کی نیت نہ ہو جیسے یوں کہتے ہیں کہ یہ فلاں بچے کا عقیقہ ہے تو یہ حلال ہے یا بقرعید کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کا جانور خریدا اور یوں کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ہے تو یہ جانور حلال ہے۔

مسئلہ:۔ اشیاء خوردنی میں کیڑے پیدا ہو جائیں یا گولر میں بھنگے پیدا ہو جائیں تو ان کیڑوں کو کھانا جائز نہیں ہے۔ کیڑے ہٹا کر استعمال کرنا چاہیے۔

مسئلہ:۔ گوشت کا یا کوئی اور کیڑا شوربے میں گر گیا تو شوربہ نجس نہ ہوگا۔ کیڑے کو ہٹا کر شوربے

کو استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر کیڑا پھٹ کر شوربے میں ریزہ ریزہ ہوگیا ہو تو پھر اس شوربے کا استعمال جائز نہیں۔

مسئلہ: جو جانور نجاست کھانے لگے اور اس وجہ سے اس کا گوشت بدبودار ہو جائے تو اس کو جَلّالَہ کہتے ہیں اور اسی حالت میں اس کا دُودھ پینا یا اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ اگر وہ مُرغی ہے تو تین دن اور بکری ہے تو چار دن اور گائے یا اُونٹ ہے تو دس دن اُن کو باندھ کر صاف سُتھری غذا دی جائے تاکہ گوشت کی بدبو زائل ہو جائے۔ پھر اُن کا گوشت اور دُودھ استعمال کیا جانا چاہیے۔

مسئلہ:۔ اگر نجاست کھائی لیکن گوشت میں بدبو پیدا نہیں ہوئی یا کوئی غیر بدبودار حرام چیز کھلائی گئی تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فارمی یعنی ولایتی مُرغیوں کو اگرچہ نجس خوراک دی گئی ہو لیکن چونکہ ان کے گوشت میں بدبو نہیں ہوتی لہٰذا ان کا کھانا جائز ہے۔ محض غذا و خوراک کے نجس ہونے کی وجہ سے گوشت کا استعمال ناجائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ گیارہویں اور محرم کے موقع جو کچھ تقسیم کیا جاتا ہے اگر وہ غیر اللہ کے نامزد ہو اور اس کے نام کی نذر ہو تو حرام ہے اور اگر اللہ کے نام کا صدقہ ہو جس کا ثواب بزرگ کو پہنچایا گیا ہو تو وہ حرام نہیں مباح ہے، لیکن چونکہ دن کی تخصیص کی وجہ سے بدعت ہے اور بہت سے لوگ عقائد میں پختہ نہیں اس لیے ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مسئلہ:۔ بارہ ربیع الاوّل، شب برات اور اسی طرح کے دیگر موقعوں پر جو بہت سے صحیح عقیدے والے بھی کچھ پکا کر تقسیم کرتے ہیں تو اگرچہ وہ چیز حرام نہیں ہوتی لیکن دن کی تخصیص کے باعث بدعت ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

دُعاءِ صحت

دار العلوم شیر گڑھ کے مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہم کے بڑے صاحبزادے برین ہیمرج کے سبب علیل ہیں۔ قارئین کرام سے دعاءِ صحت کی اپیل ہے۔ (مدیر)

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اَفْضَلُ الْجِہَادْ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

" اَفْضَلُ الْجِہَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ " [1]

سب سے افضل جہاد اُس شخص کا ہے جو جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے۔

جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے کا جہاد سب سے افضل کیوں ہے؟ وجہ یہ ہے کہ جو شخص دُشمن سے لڑتا ہے اُسے اپنی جان جانے کا یقین نہیں ہوتا اُس کے سامنے دونوں احتمال ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جان چلی جائے ______ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جان بچ جائے۔ اس کے برخلاف ظالم بادشاہ کے سامنے جو شخص کلمۂ حق کہتا ہے اُسے اپنے سامنے موت نظر آرہی ہوتی ہے اور اُسے اپنی جان چلے جانے کا گمان غالب ہوتا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کے سامنے مجبور و بے بس ہوتا ہے، ایسے شخص کو دُشمن سے لڑنے والے کی بنسبت اپنی جان کا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں جو کلمۂ حق کہتا ہے اُس کا جہاد افضل ترین جہاد ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جابر و ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا بڑے دل گردے کی بات ہے،

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۲۲

یہ کام سوائے اُس شخص کے کوئی نہیں کر سکتا جو موت کو گلے لگانا جانتا ہو اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتا ہو۔

ہمارے اسلاف و اکابر نے جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی وہ مثالیں پیش فرمائی ہیں کہ تاریخ اُن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، کتابوں میں اس قسم کے ہزاروں واقعات درج ہیں۔ ذیل میں تاریخ کے حوالے سے چند واقعات اسلاف و اکابر کی جرأت و عزیمت کے نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔

○ حجاج بن یُوسف اِس اُمّت کا سب سے ظالم و جابر حکمران گزرا ہے، کُشت وخون اِس کا محبوب مشغلہ تھا۔ معمولی معمولی بات پر لوگوں کو قتل کروا دیتا تھا، حجاج کے ہاتھوں جنگوں میں مارے جانے والے افراد تو معلوم نہیں کس قدر ہوں گے۔ وہ افراد جو ظالم حجاج نے اپنے سامنے کھڑے کر کے ظلماً قتل کیے ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے، اس جیسے ظالم و جابر حکمران کے سامنے بھی ہمارے اسلاف کلمۂ حق کہنے سے نہیں چُوکے، موت کو گلے لگانا پسند کر لیا، لیکن حق بات کہنے سے نہیں رُکے۔

حضرت ابن عمرؓ کا حجاج کے سامنے کلمۂ حق کہنا

علّامہ ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں

"ایک مرتبہ ایسا ہُوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کو خطبہ دیتے دیکھا (تو غضب آلود ہو کر) فرمانے لگے، خُدا کا دُشمن، خُدا کی حرام کی ہُوئی باتوں کو اس نے حلال کر لیا، خُدا کے گھر کو خراب کیا اور خُدا کے دوستوں کو قتل کیا' حجاج نے (اپنی نسبت یہ کلمات سُن کر) پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا عبداللہ بن عمر (اتنا سُن کر وہ سفاک آپ کی طرف متوجّہ ہُوا اور) کہنے لگا: بڑے میاں چُپ رہو اَب تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے، منبر سے اُترا تو (دل میں بخار بھرا ہُوا تھا) اپنے ایک ملازم کو اشارہ کیا، اس نے زہر میں بُجھا ہُوا ایک حربہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں پر مار دیا، اسی ہتھیار کی سمیّت

آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ حجاج آپ کی عیادت کے لیے آیا اور سلام کیا، مگر آپ نے نہ اس کے سلام کا جواب دیا نہ اس سے بات کی۔"[۱]

حضرت سعید بن جبیرؒ کی حجاج سے گفتگو

قارئین محترم آپ نے اُوپر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کلمۂ حق ملاحظہ فرمایا۔ اب آپ حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد رشید جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کی حجاج کے ساتھ بے باکانہ گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"سعید بن جبیرؒ نے بھی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا، حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیرؒ مشہور تابعی ہیں اور بڑے عُلماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو اُن سے بغض و عداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج اُن کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چُھپ کر مکّہ مکرمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکّہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سُنایا کہ جو شخص سعید بن جبیرؒ کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں۔ اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا، غرض بڑی دِقّت سے مکّہ کے حاکم نے اُن کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصّہ نکالنے اور اُن کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پُوچھا۔

حجاج: تیرا کیا نام ہے۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۷ ج ۱

سعیدؒ : میرا نام سعید ہے۔

حجاج : کس کا بیٹا ہے۔

سعیدؒ : جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں اکثر معنیٰ مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو اُن کے نام کا اچھے معنیٰ والا ہونا پسند نہیں آیا۔ اس لیے

کہا، نہیں تو شقِیْ بن کُسَیْر ہے (شقی کہتے ہیں بدبخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز)

سعیدؒ : میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج : تو بھی بدبخت تیری ماں بھی بدبخت۔

سعیدؒ : غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور شخص ہے (یعنی علام الغیوب)

حجاج : دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اُتارتا ہوں

سعیدؒ : تو میری ماں نے میرا نام دُرست رکھا۔[1]

حجاج : اَب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنّم رسید کرتا ہوں۔

سعیدؒ : اگر میں یہ جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنا لیتا۔

حجاج : حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے۔

سعیدؒ : وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دُنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج : خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے

سعیدؒ : میں اُن کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کیے کا ذمّہ دار ہے۔

حجاج : میں ان کو بُرا کہتا ہوں یا اچھّا

---

[1] یعنی جب تو مجھے موت کے گھاٹ اُتارے گا تو میں شہید ہوں گا اور شہادت بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے لہٰذا میرا نام سعید میری ماں نے ٹھیک رکھا اور تو جو شقی (بدبخت) کہتا ہے غلط ثابت ہو گیا اور حجاج نے غالباً اسی اشارے کو سمجھ کر دوسری بار الفاظ بدل دیے اور کہا کہ جہنّم رسید کرتا ہوں

سعیدؒ: جس چیز کا مجھے علم نہیں ہے مَیں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی ہی حال معلوم ہے۔

حجاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے۔

سعیدؒ: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کُتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح[1] دیتے ہیں۔

حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا۔

سعیدؒ: اس کو وُہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہُوئے رازوں سے واقف ہے۔

حجاج: حضرت علیؓ جنّت میں ہیں یا دوزخ میں

سعیدؒ: اگر مَیں جنّت اور جہنّم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔

حجاج: مَیں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا۔

سعیدؒ: مَیں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا

سعیدؒ: مَیں نے جھُوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج: تُو کبھی ہنستا کیوں نہیں۔

سعیدؒ: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دُنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: مَیں تو ہنستا ہوں۔

سعیدؒ: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے حالات دیکھ لو خود معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حجاج : میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔

سعیدؒ : میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔[1]

حجاج : مَیں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعیدؒ : اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج : میں کیوں نہیں جرأت کر سکتا۔ حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تُو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعیدؒ : مَیں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج : ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے۔

سعیدؒ : میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔

حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔

سعیدؒ : یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں

حجاج : شرط کیا ہے۔

سعیدؒ : یہ کہ تو اُن سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ ہر دُودھ پلانے والی دُودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل[2] گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج : ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں ؟

سعیدؒ : تُو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

---

[1] یعنی رب العالمین نے میری موت کا سبب جو بھی کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

[2] یعنی دہشت اور گھبراہٹ اس قدر ہو گی

حجاج : کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

سعیدؒ : میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج : تیرے لیے ہلاکت ہو

سعیدؒ : ہلاکت اس شخص کے لیے ہے جو جنّت سے ہٹاکر جہنّم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج : (دِق ہوکر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔

سعیدؒ : جس طرح سے قتل ہونا اپنے لیے پسند ہو۔

حجاج : کیا تجھے معاف کر دوں۔

سعیدؒ : معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔

سعیدؒ باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی، پھر بلایا اور پُوچھا۔

حجاج : تو کیوں ہنسا۔

سعیدؒ : تیری اللہ پر جُرات اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے[1]

حجاج : میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی

پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے اس کی گردن اُڑاؤ۔

سعیدؒ : مَیں دو رکعت نماز پڑھ لوں، نماز پڑھی پھر قبلہ رُخ ہوکر وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

پڑھا، یعنی مَیں نے اپنا مُنہ اُس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہُوا اور نہیں ہوں مُشرکین سے

حجاج : اس کا مُنہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ

---

[1] یعنی گویا میں اس بات پر تعجب کر رہا ہوں کہ دیکھو یہ شخص حجاج کس قدر حد سے بڑھ رہا ہے اور اللہ رب العالمین کی برداشت دیکھو کہ سب دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے ؎

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست   کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے ما

اُنھوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا۔ چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔

سعیدؒ: فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ الْکَافِیْ بِالسَّرَائِرِ۔ جدھر تم مُنہ پھیرو اُدھر بھی خُدا ہے جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف مُنہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمّہ دار ہیں۔

سعیدؒ: مِنْھَا خَلَقْنَاکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی۔ ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی سے پھر دوبارہ اُٹھائیں گے۔

حجاج: اس کو قتل کر دو،

سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تو اُس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیے گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ان کے انتقال کے بعد بدن سے خُون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہُوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پُوچھی۔ اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا اس لیے خُون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے اُن کا خُون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔"[1]

حضرت سعید بن مُسیَّبؒ کی بیباکی

حضرت سعید بن مُسیَّب رحمہ اللہ ایک نہایت جلیل القدر تابعی اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ

---

[1] حکایات صحابہؓ ص۸۸ تا ص۹۱ مشمولہ فضائل اعمال طبع مکتبہ مدنیہ لاہور

کے داماد ہیں آپ نے چالیس حج کیئے پُورے پچاس برس عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی اور اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی[۱] آپ کی طبیعت میں بے نیازی تھی اس لیے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہیں کیا۔

"ایک دفعہ تیس ہزار درہم (بنوامیہ کی طرف سے) آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو فرمایا نہ مجھ کو بنوامیہؓ کی پرواہ ہے نہ ان کے مال و دولت کی، مَیں خُدا کے سامنے جاؤں گا وہ میرا اور اِن کا فیصلہ کرے گا"[۲]

امام ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ابن سائب کا کہنا ہے کہ ایک دن میں اور سعید بن مُسَیَّبؒ دونوں بازار میں بیٹھے تھے کہ بنومروان کا قاصد وہاں سے گزرا ابن المسیب نے اس سے پوچھا کہ تم بنومروان کے قاصد ہو؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ نے پُوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا؟ قاصد: بخیر و عافیت ابن المسیبؒ نہیں بلکہ تم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آدمیوں کو بھُوکا مارتے ہیں اور کُتّوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ قاصد یہ سُن کر بگڑ گیا اور آنکھیں نکال کر اُن کی طرف دیکھنے لگا، ابن السائب کہتے ہیں کہ میں دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا کہ دیکھیے اب کیا ہو، کچھ دیر بعد قاصد چلا گیا، جب وہ چلا گیا تو مَیں نے کہا: ابن المسیب خُدا تم کو معاف کرے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ آپ نے فرمایا: اے بیوقوف چُپ رہ خدا کی قسم جب تک میں اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں لگا ہُوا ہوں اللہ مجھے دُشمنوں کے قبضے میں نہ دے گا"[۳]

---

[۱] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۷۵

[۲] ایضاً ج ۲ ص ۳۷۶

[۳] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۵

امام اَوْزَاعیؒ کی حق گوئی

امام الشام شیخ الاسلام حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعیؒ (م: ۱۵۷ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہ ہوتے ہیں۔ تمام صحاحِ ستہ میں آپ کی روایات موجود ہیں۔ محدّث عبداللہ بن داود الخُریبی فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ اپنے زمانہ کے سب سے افضل انسان تھے اور بارِخلافت اُٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں آپ کی حق گوئی کا واقعہ درج فرمایا ہے جو سُنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

امام ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"محدث فریابیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور عباد بن کثیرؒ مکّہ مکرّمہ میں اکٹھے ہوئے، حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: ابو عمرو، ہمیں وہ گفتگو تو سنائیے جو آپ کی عبّاسی خلیفہ سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے ساتھ ہوئی تھی۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

"جب عبّاسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی شام میں داخل ہوا اور بنو اُمیّہ کو چُن چُن کے مروا چکا تو ایک دن اس نے اس طرح دربار سجانے کا حکم دیا کہ ایک صف ایسے جوانوں کی آراستہ کی جائے جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوں، دوسری صف ان کی ہو جن کے ہاتھ میں بَلَم (بھالے) ہوں۔ تیسری صف میں وہ سپاہی ہوں جن کے ہاتھ میں گرز ہوں، اور چوتھی صف میں وہ کھڑے کیے جائیں جن کے ساتھ کافر کوب ہوں جب حکم کے مطابق دربار سج چکا تو ایک پیادہ بھیج کر اس نے مجھ کو بلوایا، میں بارگاہ کے دروازہ پر پہنچا تو سواری سے اُتار لیا گیا اور دائیں بائیں سے دو سپاہی میرے دونوں بازو تھام کر صفوں کے بیچ میں لے چلے جب اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے عبداللہ میری بات سُن سکے تو وہاں مجھ کو کھڑا کر دیا (اس کے بعد عبداللہ اور میرے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی)

عبداللہ۔ تم عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ہو۔
اوزاعی۔ ہاں، خدا امیر کی اصلاح فرمائے۔
عبداللہ۔ بنی امیہ کے قتل کے باب میں تمہارا کیا خیال ہے۔
اوزاعی۔ آپ سے اور ان سے کچھ معاہدے تھے جن کی پابندی اور عہد کا ایفا ان پہ لازم تھا۔
عبداللہ۔ اجی صاحب! اس کو چھوڑیئے، فرض کیجیے کہ ہمارے ان کے کوئی معاہدے اور ہم سے ان سے کوئی عہد و پیمان نہ رہا ہو۔
اوزاعی (نے دیکھا کہ اب صاف صاف جواب کے سوا چارہ کار نہیں ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ صاف جواب دینے کے بعد جان بچنا بھی ناممکن ہے۔ مرنے کو کس کو دل چاہتا ہے، مگر میں نے سوچا کہ اللہ کے حضور میں ایک دن کھڑا ہونا ہے۔ اس لیے میں نے نڈر ہوکر کہا کہ) اس صورت میں اُن کا قتل آپ پر حرام تھا۔ یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہوگیا۔ گردن کی رگیں پھول گئیں اور سُرخ سُرخ آنکھیں نکال کر بولا۔
عبداللہ۔ یہ تم نے کیسے کہا، اور کیوں کہا؟
اوزاعی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مُسلمان کا خُون تین ہی صورتوں میں رَوا ہو سکتا ہے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، یا کسی کو قتل کر دے۔ یا مرتد ہو جائے اور بنوامیہ جن کو تم نے قتل کرایا ہے، ان میں سے کسی جُرم کے مرتکب نہ تھے۔
عبداللہ۔ اجی کیا دیانۃً حکومت وخلافت ہمارا (ہاشمیوں کا) ہی حق نہیں ہے۔
اوزاعی۔ وہ کیسے؟
عبداللہ۔ کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت علی رضؓ (ہاشمی) کو اپنا وصی نہیں بنا گئے تھے۔

اوزاعی۔ اگر وصی بنا گئے ہوتے تو حضرت علی صِفّینؔ کے موقع پر دو شخصوں کو حکم مان کر یہ نہ کہتے کہ تم جس کو حاکم و خلیفہ مقرر کر دو مجھے قبول و منظور ہے۔

یہ سُن کر عبداللہ بالکل خاموش ہوگیا، اس کے غصّہ کا پارہ آخری ڈگری پر پہنچ چکا تھا، اور مجھے یہ لگ رہا تھا کہ اَب میرا سر میرے سامنے گرا چاہتا ہے کہ اتنے میں عبداللہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کو دربار سے نکالو، میں دربار سے نکل آیا لیکن ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ دیکھا ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس چلا آرہا ہے میں سمجھا کہ میرا سَر قلم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اس لیے جلدی سے اپنی سواری سے اُترا کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں، اور اللہ اکبر کہہ کے نیت باندھ لی۔ ابھی نماز ہی میں تھا کہ سوار آپہنچا جب میں فارغ ہوا تو اس نے سلام کیا اور کہا کہ امیر نے یہ اشرفیاں آپ کے پاس بھجوائی ہیں۔ مَیں نے ان اشرفیوں کو گھر پہنچنے سے پیشتر ہی تقسیم کر کے ختم کر دیا۔[1]

محدث ابن ابی ذئبؒ کا کلمۂ حق

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب (م: ۱۵۹ھ) اپنے زمانہ کے کبار عُلماء میں سے تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور جری و بہادر تھے، آپ نے ابوجعفر منصور اور اس کے لڑکے مہدی دونوں کی حکومتوں کا زمانہ پایا ہے اور دونوں کے سامنے کلمۂ حق کہتے رہے ہیں۔

"ابو نعیم کا بیان ہے کہ جس سال خلیفہ منصور نے حج کیا ہے، اسی سال مجھ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی تھی۔ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ منصور جب مکّہ معظمہ پہنچا تو اس نے ابن ابی ذئب کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو دارالندوہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۰

میں اُن کو اپنے ساتھ بٹھا کر پُوچھا کہ حسن بن زید علوی جو منصور کی طرف سے مدینہ کے قاضی تھے، مگر منصور کسی بات پر ان سے برہم ہو گیا تھا اور قضا سے برطرف کر کے اُن کو جیل خانہ بھجوا دیا تھا اُن کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ ابن ابی ذئب نے کہا: وہ انصاف شعار و عدل گستر تھے، منصور نے کہا اور میری نسبت کیا رائے ہے؟ ابن ابی ذئب نے پہلے سکوت کیا لیکن منصور نے بار بار پُوچھا تو ابن ابی ذئب نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا کہ اس گھر کے مالک کی قسم تو بے انصاف و ناحق پرست ہے، (منصور کے دربان) ربیع نے یہ تلخ اور بے باکانہ جواب سُن کر ابن ابی ذئب کی ڈاڑھی پکڑ لی، منصور نے اس کو ڈانٹا کہ حرامزادے چھوڑ دے"[۱]

حضرت امام ذہبی رح فرماتے ہیں۔

"جس وقت خلیفہ مہدی نے حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے مسجد نبوی میں حاضری دی تو مسجد میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک ابن ابی ذئب تھے جنھوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی کسی نے کہا کہ حضرت کھڑے ہو جائیے یہ امیر المؤمنین ہیں تو برجستہ فرمایا: اِنَّمَا یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میاں رب العلمین کے لیے لوگ کھڑے ہوا کرتے ہیں، مہدی یہ جواب سُن کر کانپ گیا اور اُس نے ڈانٹا کہ ان کو نہ چھیڑو میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا ہے۔"[۲]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲

[۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲

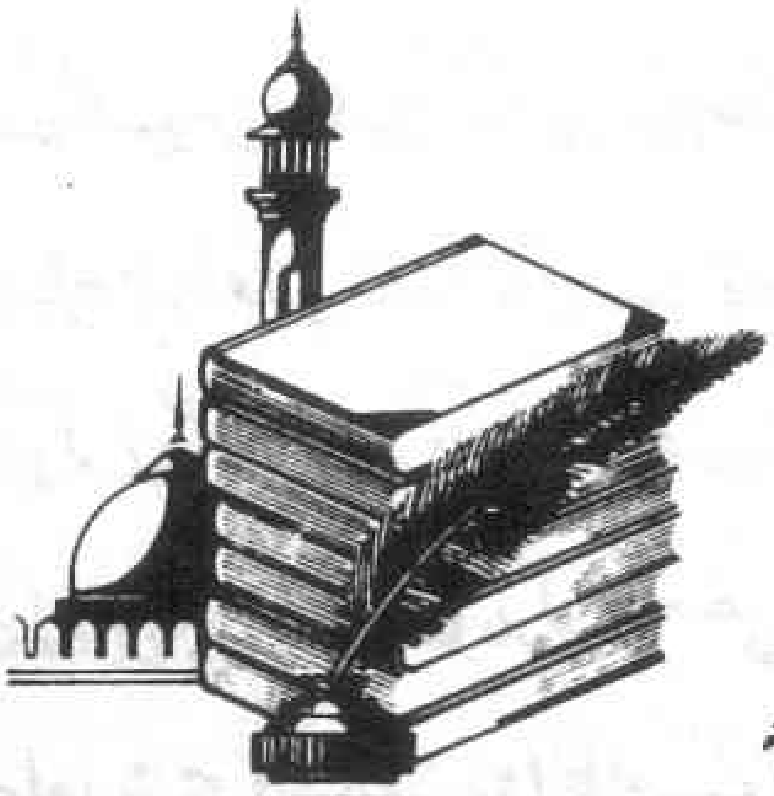

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : اسلامی عقائد

ترتیب : ڈاکٹر مفتی عبدالواحد زید مجدھم

صفحات : ۲۸۰

سائز : $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$

ناشر : مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار لاہور

قیمت : ۸۰/-

دین اسلام کا خلاصہ دو چیزیں ہیں (۱) عقائد (۲) اعمال۔

عقائد بمنزلہ رُوح کے ہیں اور اعمال بمنزلہ جسم کے، جس طرح جسم رُوح کے بغیر بے کار ہے اسی طرح عمل اصلاحِ عقیدہ کے بغیر بے کار ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ عمل کے ساتھ ساتھ عقیدہ کے اصلاح کی فکر کی جائے۔

عقیدہ کی اصلاح چونکہ موقوف ہے۔ صحیح عقیدہ کے علم پر اس لیے ہر دَور میں عُلماء ربانیین عقائد سے متعلق کتابیں لکھتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے پیشرفت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور "الفقہ الاکبر" کے نام سے عقائد سے متعلّق ایک جامع اور مختصر کتاب تحریر فرمائی آپ کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔

زیرِ تبصرہ کتاب "اسلامی عقائد" بھی اسی مُبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

یہ کتاب ہمارے جامعہ کے فاضل و مفتی ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدھم نے تحریر فرمائی ہے۔

اُردو زبان میں اسلامی عقائد سے متعلّق اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اُن کتابوں کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے عقائد کو فلسفی بحثوں میں الجھا کر بالکل چیستاں بنا دیا ہے اور کسی نے نہایت اغلاق اور اجمال سے کام لیا ہے، کسی نے اگر تفصیل سے کام لیا بھی ہے تو وہ افراط کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب زید مجدھم کی کتاب اس لحاظ سے انفرادی حیثیّت کی حامل ہے کہ اس میں نہ تو عقائد کو فلسفی بحثوں میں اُلجھایا گیا ہے نہ ہی اِغلاق و اجمال سے کام لیا گیا ہے اور نہ ہی اسلاف و اکابر کے اجماعی عقائد سے ہٹ کر کوئی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی کتاب اس حیثیّت سے بھی ممتاز ہے کہ اس میں بہت سی نئی ابحاث شامل کی گئی ہیں، جن کا عقائد کے بیان میں لانا آج کل کے دَور میں نہایت ضروری ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی یہ کتاب اٹھارہ ابواب پر ترتیب دی ہے وہ اٹھارہ ابواب درج ذیل ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان (۲) انبیاء ورسل سے متعلّق عقائد (۳) معجزات یا دلائل نبوّت (۴) انبیاء علیہم السّلام میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے امتیازات (۵) عقیدہ حیات النّبی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) (۶) مبتدعین کا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں غلو اور اس کا جواب (۷) فرشتوں کا بیان (۸) کتب الٰہیہ کا بیان (۹) عقائد متعلق قیامت (۱۰) قبر میں عذاب و راحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے (۱۱) عقائد متعلقہ عالَم آخرت (۱۲) شفاعت ہوسکتی ہے (۱۳) جنّت و دوزخ سے متعلّق عقائد (۱۴) عقائد متعلّق صحابہ کرام (۱۵) تقدیر کا بیان (۱۶) امامت وخلافت (۱۷) ایمان کا بیان (۱۸) شرک کا بیان۔

مذکورہ تمام ابواب پر موصوف نے سیر حاصل کلام کیا ہے اور تمام عقائد کے کتاب وسُنّت سے دلائل فراہم کیے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف اہلِ حق کی کتابوں میں ایک عمدہ اضافہ ہے اور ڈاکٹر صاحب اہلِ سُنّت کی طرف سے اِس پر بجا طور سے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کتاب حسنِ باطنی کے ساتھ ساتھ حسنِ ظاہری سے بھی آراستہ ہے کتابت وطباعت عمدہ ہے اور قیمت نہایت مناسب ہے

○

نام کتاب : **اُصولِ دین**
تصنیف : ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدھم
صفحات : ۲۱۶
سائز : $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$
ناشر : مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی
قیمت : ۶۰/

پیشِ نظر کتاب "اُصولِ دین" بھی حضرت مفتی عبدالواحد صاحب کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں آپ نے دینی اُصول سے متعلق تفصیلاً کلام کیا ہے موصوف کی یہ کتاب درج ذیل بارہ ابواب پر مشتمل ہے (۱) مباحثِ وحی (۲) اُصولِ تفسیر (۳) اُصول حدیث (۴) اجماع اُمّت (۵) قیاس (۶) علم فقہ کس کو کہتے ہیں (۷) علم اُصول فقہ (۸) قواعد فقہیہ (۹) اُصولِ اجتہاد (۱۰) اُصول تقلید (۱۱) اُصول سُنّت و بدعت (۱۲) اُصول ایمان و کُفر، ان بارہ ابواب کے تحت ڈاکٹر صاحب نے نہایت قیمتی معلومات درج کی ہیں جن کا جاننا اس دور میں انتہائی ضروری ہے اِن معلومات سے جہاں دینی معلومات میں وسعت پیدا ہوتی ہے وہاں یہ معلومات فرقہ باطلہ کے مکر و فریب سے بچنے اور اُن کو راہِ راست پہ لانے کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

ہمارے خیال میں اس کتاب کا مطالعہ ہر عام و خاص کے لیے ضروری ہے کتاب کی کتابت و طباعت معیاری اور قیمت بھی مناسب ہے

○

نام کتاب : **مسائل بہشتی زیور**
ترتیب نو : ڈاکٹر مفتی عبدالواحد زید مجدھم
صفحات : ۳۴۶
سائز : $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$
ناشر : مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی
قیمت : ۸۲/

"بہشتی زیور" حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی وہ مقبول عام اور شہرۂ آفاق کتاب ہے جو بیسیوں زبانوں میں اَن گنت مرتبہ بے شمار اداروں کی طرف سے چھپ چکی ہے۔ اور تا حال چھپ رہی ہے، اس کتاب کے مسائل کا حصّہ چونکہ انتہائی اہمیّت کا حامل ہے اس لیے بہت سے حضرات نے مسائل کے حصّہ کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع کیا ہے تاکہ کم وقت میں مسائل سے کماحقہٗ استفادہ کیا جاسکے۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ اُنھوں نے گوناگوں مسائل میں اُلجھے ہوئے عوام کو کم سے کم وقت میں دینی تعلیم سے آراستہ ہونے کے لیے "فہم دین" کے نام سے ایک نصاب اور کورس مرتّب فرمایا جو تین مضامین پر مشتمل ہے۔ (۱) اسلامی عقائد (۲) اسلامی اُصول (۳) اسلامی احکام و مسائل۔ ان تینوں مضامین کی تعلیم کے لیے موصوف نے خود ہی نہایت قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

پہلے مضمون سے متعلّق "اسلامی عقائد" کے نام سے دوسرے مضمون سے متعلّق "اُصول دین" کے نام سے کتابیں لکھیں اور تیسرے مضمون سے متعلّق "مسائل بہشتی زیور" کو نئے سرے سے ایڈٹ کیا۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر اس کورس کی یہی اہم کتاب "مسائل بہشتی زیور" ہے اور اسی کے متعلّق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ ویسے تو یہ کتاب عام ناشرین کی طرف سے چھپ رہی ہے اور بازار میں عام ملتی ہے مگر عام ملنے والی "مسائل بہشتی زیور اور ڈاکٹر صاحب کی ایڈٹ شدہ "مسائل بہشتی زیور" میں کافی فرق ہے۔

(۱) ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مسائل کی پرانی ترتیب بدل کر نئی ترتیب قائم کی ہے۔

(۲) زیادہ تر اُن مسائل کو بیان کیا ہے جن کا تعلّق معاملات سے ہے۔

(۳) بہت سے جدید مسائل جو عام کتابوں میں نہیں ملتے اُن کا اضافہ کیا ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو "مسائل بہشتی زیور" (جدید) بہت سے نئے مسائل پر مشتمل ایک کتاب بن گئی ہے۔ انداز بیان بھی آسان ہے جسے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے فہم دین کورس کے لیے جو کتابیں ترتیب دی ہیں وہ سب بحمداللہ مختلف مقامات پر کامیابی کے ساتھ فہم دین کورس کے تحت پڑھائی جارہی ہیں۔ موصوف کی یہ تینوں کتابیں اس قابل ہیں کہ مدارس عربیہ کے کورس میں داخل درس کی جائیں اور ابتدائی درجات میں سبقاً پڑھائی جائیں اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی اس محنت کو قبول فرماکر مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

(ل - ا)

اخبار الجامعہ

○ یکم جولائی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات کراچی سے حافظ فرید احمد صاحب شریفی اور رحیم یار خان سے مولانا بشیر احمد صاحب حصاروی تشریف لائے اور حضرت نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۱۹ ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ ۴ جولائی ۱۹۹۹ء بروز انوار جامعہ کی مسجد میں تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز قاری محمد ادریس صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا بعد ازاں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدظلہم فاضل دیوبند نے طلبہ سے خطاب فرمایا اور قابلِ انعام طلبہ کو انعامات عطا فرمائے۔

○ ۴ جولائی کی شام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم مغرب کی نماز میں جامعہ تشریف لائے۔

○ ۱۱ جولائی کی شام قاری عبد القیوم صاحب کی نواسی کی ختم قرآن پاک کی تقریب میں شرکت کے لیے حضرت نائب مہتمم صاحب تشریف لے گئے وہاں آپ نے فضائل قرآن پر بیان فرمایا۔

○ ۱۳ جولائی ۱۹۹۹ء کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی، اسی روز مردان سے جناب محمد علی صاحب اور محمد عاصم کاکاخیل بھی تشریف لائے۔

○ ۱۶ جولائی کو مولانا عبد الدیان صاحب پشاور سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۱۹ جولائی کی صبح مولانا محمد خان صاحب شیرانی تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

○ ۲۱ جولائی بروز بدھ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نصابی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت نائب مہتمم صاحب اور حضرت مولانا خالد محمود صاحب استاذ الجامعہ وہاڑی جامعہ خالد بن ولید رضؓ تشریف لے گئے۔ جمعرات کے دن اجلاس کی مختلف نشستوں میں شرکت فرمائی۔ مہتمم جامعہ خالد بن ولید رضؓ